خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

جون 2025

Digest Novels Lovers Group ❤❤

عائشہ نصیر

خواہشوں کے فشار میں

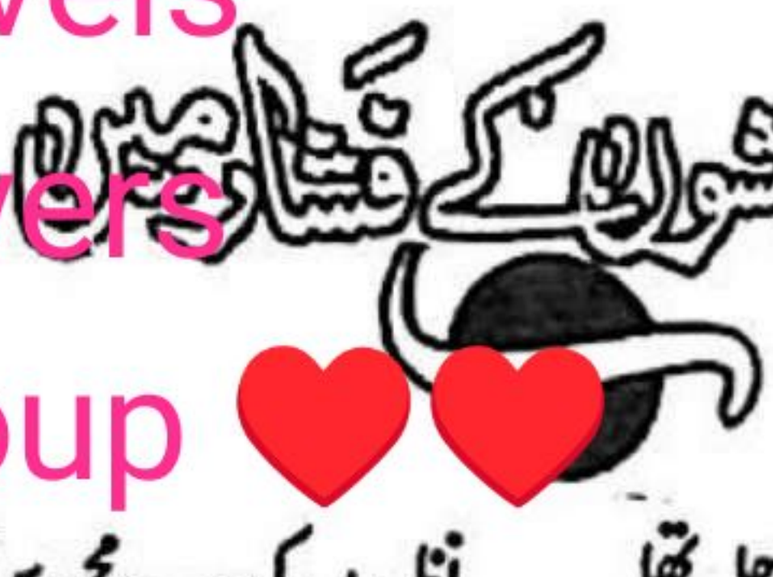

بن موسم کی برسات ہوئی تھی مگر جل تھل برستے اس موسم نے بھی اس کے اندر چل رہی خزاں رسیدہ ہواؤں کو پرسکون نہیں کیا، وہ بارش رکنے کے بعد ہی اپنے اندھیرے کمرے سے نکل کر برآمدے کی چارپائی پر آکے بیٹھی تھی۔ فضا بھیگی تھی، پیڑ پودے نہلائے ہوئے۔ وہ چند لمحے دیکھتی رہی پھر بیزار ہو کر گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

"سعدو بھی نہیں آئی کتنے دن سے۔ فون بھی نہیں اس کے پاس کہ بندہ میسج پہ ہی بات کرلے۔"

اسی وقت گیٹ کھلنے کی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

اس وسیع و عریض صحن کے دوسرے حصے پر بنے داخلی گیٹ سے رمیز بھائی اندر داخل ہوئے تھے۔ ان کے ہمراہ آتے شخص پر نظر پڑتے ہی نیلم کی دھڑکنیں بڑھی تھیں۔

وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پلٹنا بھی چاہتی تھی، مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ دونوں کی نظر اس پر پڑ چکی تھی۔

اس کے کپکپاتے لبوں سے بے حد دھیمی آواز میں سلام نکلا تھا۔ اسے شک ہوا، انہوں نے شاید ہی سنا ہو۔

"نیلی۔ اپنی بھابی سے بول،، چائے بنا دے اچھی سی۔" بھائی نے وہیں سے آواز لگائی تھی اور بیٹھک کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے تھے۔

مگر ابرہیم نے چند لمحے لیے اور ان کچھ پلوں میں وہ وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔

نیلم اتنی دور سے بھی اپنے چہرے پر اس کی نظروں کی حدت محسوس کر رہی تھی۔

پھر اس نے نظروں کا زاویہ بدلا اور بیٹھک میں داخل ہو کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اس کی رکی ہوئی سانس نکلی۔ اس نے فوراً بھابی کے کمرے کا رخ کیا۔

وہ کپڑے استری کر رہی تھیں اس نے آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے انہیں پکارا۔

"بھابی۔ بھائی بول رہے ہیں، اچھی سی چائے بنا دیں۔"

"کیا وہ آگئے؟" بھابی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر تب تک وہ رخ موڑ چکی تھی۔

"نیلی اکیلے آئے ہیں یا کوئی ساتھ ہے؟"

وہ رکی مگر پلٹی نہیں، "وہ "ابرہیم" بھی ہے ساتھ۔" بتاتے ہوئے لہجہ دھیما ہوا۔

"ارے واہ۔" ان کے لہجے میں اشتیاق جھلکا۔ "ابرہیم آیا ہے، تو نے دیکھا اسے؟ اس نے تجھے دیکھا؟" اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے وہ پاس آئیں۔

ان کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، وہ دوستانہ مزاج کی تھیں۔

"کیا نیلی۔ عجیب ہے تو بھی۔ آج کل لڑکیاں کتنی تیز ہیں، کیا کیا نہیں کرتیں، منگیتروں کے ساتھ باتیں، ملاقاتیں۔ اور تیری اس کے آنے پر ہی ہوائیاں اڑنے لگیں۔" اس کی خاموشی پر بھابی نے جھنجلا کر اس کے شانے پر چپت ماری تھی۔

جبکہ اس کی دھڑکن لفظ "ملاقاتیں" پر ہی ڈھول کی طرح کانوں میں بجی۔

مکمل ناول

بھابھی پلٹ کر استری کا پلگ نکالنے لگی تھیں، وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

دروازہ بند کرتے ہی کمرے کا نیم اندھیرا مکمل اندھیرے میں بدلا اور وہ وہیں دروازے سے ٹیک لگا کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

منظور پہلے ہی بھائی جی کے کسی کام سے باہر تھا۔ اس نے جیرے کو بھی جانے کے لیے کہہ دیا، اور اس کے لیے اسے کوئی بہانا بھی سوچنا نہیں پڑا کیونکہ وہ کچھ دیر پہلے ہی اسے اپنی گھر والی کی بیماری کا بتا رہا تھا۔

جب آذر نے اسے جانے کا کہا تو وہ حیران سا ہو کر اس کا منہ تکنے لگا۔ اسے آذر سے اس سخاوت کی توقع نہیں تھی۔

"سچ میں چلا جاؤں ملک جی؟"

"ارے ہاں ناں۔ منظور آجائے گا ابھی کچھ دیر میں، تب تک میں یہیں ہوں۔ کوئی کام تو ہے نہیں ادھر، بھائی سے میں بات کرلوں گا، تو جا۔"

ڈیرے کا انتظام و انصرام ان ہی دونوں کے ہاتھ میں تھا اور یہ دونوں ابراہیم کو جوابدہ تھے۔

جیرا جاتے ہوئے مطمئن تھا یا نہیں، اس نے دھیان نہیں دیا، اس کے تو اپنے دل و دماغ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اس کے جاتے ہی اس نے اپنا موبائل نکال کر کال ملائی تھی۔

بیل جاتی رہی اور پھر آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا کا جواب ملا تھا۔ یہ جواب تو اسے پچھلے کئی مہینوں سے موصول ہو رہا تھا مگر آج بات الگ تھی۔

شدید غصے سے اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہوئیں، وہ تیز تیز انگلیاں چلاتا میسج ٹائپ کرنے لگا، اس نے بھرپور کوشش کی تھی اس میسج کے متن میں اپنی اندرونی ناراضی اور زہر اتارنے کی۔

اس کا خاطر خواہ اثر بھی ہوا کیونکہ دوسری بار فون کرنے پر اس نے پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کرلی تھی۔

آذر نے اس کی آواز سننے کی بھی زحمت نہیں کی۔ "اگر آئندہ تو نے میرا فون اٹھانے میں ذرا بھی دیری کی تو میں تیرے گھر آکر وہ تماشا لگاؤں گا کہ پورا گاؤں دیکھے گا۔ کال نہ اٹھا کے یا فون آف کر کے تو مجھ سے بچ نہیں سکتی۔ اب تو بالکل بھی نہیں۔" وہ پھنکار رہا تھا۔

دوسری طرف کچھ دیر تو خاموشی چھائی رہی پھر اس کی لرزتی آواز ابھری۔ "تو آخر مجھ سے چاہتا کیا ہے؟ مجھے پریشان کرنا چھوڑ دے، تجھے خدا کا واسطہ۔" وہ سسکنے لگی۔

"میں نے تجھے پریشان کرنا چھوڑ دیا تھا نیلی۔ اللہ کی قسم چھوڑ دیا تھا۔" اس کے دھیمے لہجے میں آگ بھری تھی۔ "لیکن اب تو نے مجھے پریشان کر دیا ہے اور بہت زیادہ کر دیا ہے۔ میرا اور تیرا جو بھی رہا اگر اس کے بعد بھی تجھے لگتا ہے تو میرے بھائی کی دلہن بن کر میرے گھر میں آئے گی تو یہ میں ہونے نہیں دوں گا۔" یہ کھلی دھمکی تھی اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی روح کیسے فنا کرنی ہے۔

"میرا اور تیرا جو بھی تھا، وہ بہت پہلے ختم ہو چکا ہے اور کیسے ختم ہوا ہے، یہ تو اچھی طرح جانتا ہے۔" وہ خوف زدہ ہونے سے زیادہ طیش میں آئی تھی۔

"مگر میرا بھائی نہیں جانتا۔" تمسخر بھرے طنز سے کہتا وہ اسے ایک پل میں چپ کروا گیا۔

"میرا پیچھا چھوڑ دے۔ مجھے آئندہ فون مت کرنا، مجھے جب جہاں تماشا لگانا ہو، تو لگا لے۔ بھاڑ میں جا آذر، تو بس مر جا۔" آخر میں شدید بے بسی کے احساس سے وہ بھرائی ہوئی آواز میں اسے بددعا دے کے فون کاٹ گئی تھی۔

اس نے گھور کر سیل کو دیکھا تھا، اس طرح جب کوئی اس کے منہ پر فون بند کرتا تھا تو وہ تنتا جاتا تھا، آج تو بند بھی اس نے کیا تھا جسے وہ اپنے سامنے زیر دیکھنا چاہتا تھا۔ اور وہ اب بھی اکڑ دکھا رہی تھی۔ کیا اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اب سارے پتے اس

کے ہاتھ میں تھے اور وہ جب چاہتا اس کی دنیا الٹ سکتا تھا؟

وہ کافی غصے میں ڈیرے سے نکلا تھا، گھر کیسے پہنچا اسے پتا بھی نہیں چلا تھا، مگر ہال کے کھلے منقش دروازے کو اس نے جس قوت سے ٹھوکر ماری تھی۔ تخت پر بیٹھی حمیدہ سے سر میں تیل لگواتی بلقیس بانو اچھل پڑی تھیں۔

آذر نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں، دھم دھم سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے میں گیا تھا۔

ادھر انہوں نے حیران نظروں سے حمیدہ کی طرف دیکھا۔ "یہ اسے کیا ہوا؟"

"پتا نہیں بی جی۔" اس نے اپنے سانولے کھردرے ہاتھوں سے آخری چمپی دے کر ان کے بال سمیٹے۔

"میں دیکھ رہی ہوں، یہ کئی دنوں سے ایسا ہی ہے اکھڑا اکھڑا سا۔" تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ اپنے ذہن میں ان دنوں کا حساب لگانے لگیں۔

"ہوگئی ہوگی کسی یار بیلی سے منہ ماری۔"

"یہ اسی کی ہوتی ہے ہر وقت یار بیلی سے منہ ماری، ابرہیم کی کیوں نہیں ہوتی۔" وہ حمیدہ کے جواب سے چڑ سی گئیں۔

"ان کا دماغ تو چھوٹے ملک سے بھی زیادہ گرم ہے۔" حمیدہ نے جیسے انہیں یاد دلایا۔

"دماغ گرم ہے، حرکتیں تو ٹھیک ہیں۔ مثال ہے وہ مثال۔" انہوں نے گہری سانس لی۔ "اس کی ماں کو دیکھو، گردن اکڑائے پھرتی ہے۔ اور مجھے دیکھو، آدھی رہ گئی ہوں اس کی فکر میں گھل گھل کے۔"

حمیدہ کہنا چاہتی تھی مگر کہا کچھ اور۔ "چھوڑیں ناں مگر۔ ہو جائے گا ٹھیک۔ یہ عمر ہی ایسی ہے۔"

"اب یہ عمر والی بات کر کے میرا دماغ پھر سے خراب مت کر۔" وہ اور بگڑ گئیں۔ "جا میری دوائی لا۔ سر درد کرنے لگا ہے۔"

انہوں نے بیزاری سے سر دبایا۔ انہیں ہائی بلڈ پریشر کا روگ لگایا ہی آذر نے تھا، اب تو اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر ہی ان کا پارہ چڑھنے لگتا۔ چاہے وہ شہر میں ہوتا یا گھر پہ، انہیں مستقل اس کی فکر لگی رہتی، اور ایسا بے وجہ نہیں تھا، پے در پے کئی واقعات ایسے ہو چکے تھے۔

پہلے کبھی انہوں نے خود کو الزام نہیں دیا تھا مگر اب انہیں لگنے لگا تھا جیسے اس میں غلطی ان کی بھی ہے، یہ ان ہی کے بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہے۔ اب تو جب سے گھر میں ابراہیم کی شادی کی باتیں چلنے لگی تھیں، وہ بھی سوچنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ بیوی کی ذمہ داری سر پر پڑتی تو شاید وہ بھی سدھر جاتا۔ بس انہیں کوئی مناسب لڑکی مل جاتی۔

☆☆☆

وہ موبائل ہاتھ میں جکڑے کافی دیر سے یونہی ساکت بیٹھی تھی، اسے اندازہ تو تھا کہ آذر خاموش نہیں بیٹھے گا مگر وہ یوں کھلم کھلا دھمکیوں پر اتر آئے گا، یہ اس نے بالکل نہیں سوچا تھا۔

اسے واقعی اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس دن کو کوسے۔ اس دن کو جب وہ آذر کی باتوں میں آئی تھی یا پھر اس دن کو جس دن ابا خوشی خوشی گھر آئے تھے یہ بتاتے ہوئے کہ ان کے سینے میں دبی برسوں کی پالی خواہش آج پوری ہو گئی ہے۔ ملک سراج نے آج اپنے بیٹے کے لیے ان کی بیٹی کا ہاتھ مانگا ہے۔

یہ ایسی خبر تھی جس سے پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ مگر ابا کا تو حساب ہی الگ تھا۔ وہ ملک جی کے پرانے نمک خوار تھے۔ برسوں کام کیا تھا ان کے لیے۔ ان کی زمینوں، باغوں اور جائیدادوں کا سارا حساب کتاب ان ہی کے ہاتھ میں تھا اور اب ان کے بعد یہ ذمہ داری رمیز نے سنبھال لی تھی۔ مگر ملک جی کے ان پر اندھے اعتماد اور ابا جی سے ان کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا بلکہ اب تو وہ اسے رشتے داری میں بدلنے جا رہے تھے۔

نیلم تک یہ خبر پہنچی، وہ ابھی حیران بھی نہ ہونے پائی تھی جب بھابھی نے اس کے منہ میں مٹھائی ٹھونستے ہوئے ابرہیم کا نام لیا۔

وہ سمجھنے کی کوشش میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کا چہرہ تکتی رہ گئی۔

"ہائے۔ ایسا سوہنا گبھرو، میری چن ورگی نیلم کے ساتھ۔ کیا جوڑی ہوگی رب دی سوں۔"

اگلے ہی پل اسے ابکائی آئی تھی، وہ اٹھ کر غسل خانے کی طرف بھاگی۔ اس ذرا سی مٹھائی نے زہر کی طرح اس سے کھایا پیا سب اگلوا لیا تھا۔

اور بھابھی پریشان سی پوچھتی چلی جا رہی تھیں۔ "نیلی، کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہوں بھابھی۔ شاید مٹھائی ٹھیک نہیں ہے۔" وہ تپتے چہرے پر پانی کے چھپاکے مار رہی تھی۔

"ارے مٹھائی کیسے ٹھیک نہیں ہے۔ حویلی سے آئی تھی خالص دیسی گھی میں بنی۔"

وہ کیا بتاتی، بات مٹھائی کی نہیں اس خبر، اس نام کی تھی جس نے اس کے جسم وجاں میں ہزاروں پتنگے ایک ساتھ متحرک کر دیئے تھے۔

"اچانک خوشی سے بھی ایسا ہو جاتا ہے۔ پتا ہے شادی سے پہلے میرے ساتھ بھی ایسا ہوتا تھا۔ کوئی ایسی بات سنتی تو پیٹ میں گڑگڑ ہونے لگتی، دل خراب ہو جاتا۔" بھابھی نے اپنے تجربے کے مطابق نتیجہ اخذ کیا۔ وہ نا سمجھ نہیں تھیں مگر وہ دور دور تک ایسی کوئی وجہ نہیں سوچ سکتی تھیں کہ نیلم کو اس رشتے سے کوئی مسئلہ ہوتا۔

اور اسے جو مسئلہ تھا' وہ کسے بتاتی۔ پھر یہاں لڑکیوں سے پوچھنے کا رواج تھا بھی نہیں۔ ابا جی اپنی نازوں پلی نیلم کی مرضی جاننے کی کوشش بھی کرتے تو کیوں۔ انہیں تو خود ابراہیم دل و جان سے پسند تھا، ہاں اگر یہ رشتہ آذر کا ہوتا تب ان کے خیالات قطعی مختلف ہوتے۔ مگر ابراہیم۔ گاؤں کا سب سے قابل، خوبرو، کڑیل جوان کہ خود اس کا بھائی آذر بھی اس کے سامنے پھیکا پڑ جاتا تھا۔ ہاں غصے کا ذرا تیز تھا مگر اباجی کے مطابق۔ وہ جوانی ہی کیا جس میں خون اور دماغ دونوں گرم نہ ہوں۔ اسی لیے وہ دل سے اسے داماد بنانے کے خواہش مند تھے۔ اور ویر بھائی اکمل خوش، ان کا ابرہیم سے اپنا یارانہ تھا۔

نیلم کسی سے اپنا دکھڑا نہیں کہہ سکتی تھی سوائے اپنی بچپن کی سہیلی سعدو کے۔

اس وقت بھی آذر کی دھمکیوں کے بعد اپنے دل کا غبار نکالنے کو سعدو سے بات کر ہی رہی تھی۔ اس نے اپنا موبائل رکھا اور اپنی چادر اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔

☆☆☆

اس وقت سورج ڈھل رہا تھا جب اس کی جیپ گاؤں کی حدود میں داخل ہوئی۔ اس کچی سڑک پر جہاں دونوں طرف کھیتوں کا سلسلہ پھیلا تھا اس کے سامنے دھول بھری دھند میں اسے دو وجود نظر آئے، اس نے گاڑی کی رفتار سست کی تھی۔ انہوں نے بھی اس کی جیپ دیکھ لی تھی جب ہی ان کے قدم تھمے۔

"شام ہو رہی ہے اس وقت کدھر جا رہے ہو؟" اس نے گاڑی روک کر شیشہ سرکایا تھا۔

یہ ماسی شاداں تھی مگر اس کے ساتھ کھڑی میرون رنگ کی چادر میں نیلم پر نظر پڑتے ہی وہ پوری طرح چونک گیا۔ اسے بالکل توقع نہیں تھی اس کی موجودگی کی۔ اس نے تو ویسے ہی گاڑی روک دی تھی۔ اس کی عادت تھی اکثر گھر جاتے ہوئے اسے راستے میں کوئی پیدل چلتا ہوا ملتا تو اسے لفٹ دے دیتا تھا، اور اب تو رکنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ دو خواتین تھیں اور شام ہو رہی تھی۔ مگر ان دو خواتین میں ایک اس کی اپنی نکلے گی اسے یہ اندازہ نہیں تھا۔

"وہ جی نیلی آئی تھی سعدو سے ملنے۔ دیر ہو گئی تو میں نے کہا، میں گھر چھوڑ دیتی ہوں۔" ماسی شاداں نے جواب دیا۔ ان کا گھر گاؤں کے باہر تھا، کھیتوں کے اس پار۔

ابرہیم نے میرون چادر کے ہالے میں نیلم کے گورے مکھڑے پر ایک نظر ڈالی۔ وہ اس کی سمت دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، آؤ۔ میں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔"
نے کہا تھا۔
نیلی نے سٹپٹا کر ماسی کی طرف دیکھا۔
وہ متذبذب ہوئیں مگر صرف ایک لمحے کے
۔ وہ کوئی راہ چلتا نہیں تھا۔ وہ ابراہیم تھا۔ اپنے
دار کا خود آپ گواہ۔
"میں چلی جاؤں گی ماسی کے ساتھ، آپ
مت نہ کریں۔" وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی سیاہ
ور آنکھوں میں پریشانی لیے۔
"اس میں زحمت کی بات نہیں، میں اسی طرف
رہا ہوں۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ ڈور کھولا
تھا۔
نیلی کی رنگت یہ دیکھ کر مزید اڑی۔
"ماسی! تم گھر جاؤ، اسے میں چھوڑ دوں گا۔ صحیح
سلامت اس کے گھر تک۔" آخری بات اس نے
کانی جتا کر کی نیلی کی سمت دیکھتے ہوئے کہی۔
"چل تو جا۔ ڈر مت۔ منگیتر ہے تیرا، کوئی جلاد
تھوڑی ہے۔" انہوں نے اس کے کان میں سرگوشی
کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا جو وہ
سختی سے جکڑے ہوئے تھی۔ اور رب راکھا کہہ کر
جانے کے لیے پلٹ گئیں۔
اسے مرے مرے قدموں سے جیپ میں
آ کے بیٹھنا ہی پڑا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی
تھی۔
"کیا تم اکثر اسی طرح بے وقت اپنی سہیلیوں
سے ملنے جاتی ہو؟" اس کی نظریں سامنے سڑک پر
تھیں مگر وہ پوری شدت سے اپنے پہلو میں اس کی
موجودگی محسوس کر رہا تھا۔
"کیا؟ نن نہیں۔ نہیں تو۔" وہ اپنی سی کوشش کر
رہی تھی کہ اس کی طرف نہ دیکھے مگر ابراہیم کی اس بات
نے اسے کنکھی سے رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھنا ہی
پڑا۔
اسٹیئرنگ پر مضبوط ہاتھ دھرے اس کی نظریں
سامنے تھیں، گھنے بال پیشانی پر بکھر آئے تھے، شاید

وہ کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔ اس کی پیشانی پر پڑی
پر سوچ شکنیں بھی کتنی بھلی لگ رہی تھیں۔
"میں وقت پر گئی تھی مگر باتوں میں وقت
گزرنے کا پتا نہیں چلا۔" اس نے ہلکی داڑھی سے
سجے اس کے خوبرو گندمی چہرے سے نظریں
ہٹائیں۔
"اچھا۔ ایک بات میں پوچھوں، سچ سچ جواب
دو گی؟" اس نے اچانک ہی اپنی آنکھیں اس کی
آنکھوں میں ڈالی تھیں اور جیسے اس کی آنکھوں کو
باندھ لیا تھا۔
"جی۔" اس کے منہ سے بمشکل آواز نکلی۔
"کیا تم اس رشتے سے خوش ہو؟" وہ پوچھ رہا
تھا۔
نیلی کے دل و دماغ میں بگولے سے اڑے۔
وہ کیا جواب دے، یہ کیسا سوال ہے۔ اس کے کانوں
میں سعدو کی آواز گونجی۔
"پاگل مت بن نیلی۔ آذر صرف تجھے ڈرا رہا
ہے، وہ کچھ نہیں کرے گا، تو اپنا منہ بند رکھے گی۔"
"اور اگر ابراہیم کو کہیں اور سے پتا چلا تو؟" وہ
سوچ کر ہی لرز گئی۔
"نہیں چلے گا پتا۔ یہ راز میرے، تیرے اور
آذر کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تو دل سے بتا نیلی۔ کیا تو
واقعی ابراہیم جیسا انسان نہیں چاہتی؟"
اس وقت سعدو نے اسے لاجواب کیا تھا اور
اب ابراہیم نے۔
کیا وہ زبان کھولے؟ کیا وہ اسے اس کے
بھائی کے بارے میں بتائے؟ سعدو کی نصیحت سے
قطع نظر، نیلی میں خود بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ
اسے آذر اور اپنے تعلق کی سچائی بتائے۔
"بتاؤ نیلم؟" اس کا بھاری سوالیہ لہجہ اس کے
اعصاب پر کسی ہتھوڑے کی طرح پڑا۔
"جی۔ میں ہوں۔" اس کی آواز اتنی دھیمی تھی
کہ وہ بمشکل سن پایا۔
"کیا ہو؟" اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے

ابرہیم نے بھی تہیہ کرلیا تھا اس سے پورا جواب اگلوانے کا۔

"خوش ہوں اس رشتے سے۔" جواب دے کر اس نے بے اختیار اپنی نم ہتھیلیوں میں اپنا چہرہ ڈھانپا۔

ابرہیم کے ہونٹوں پر بڑی گہری مسکراہٹ بکھری۔

اس نے ایک جھٹکے سے جیپ روکی تھی۔

"آ گیا تمہارا گھر۔"

اس نے چونک کر سر اٹھاتے ہوئے اطراف میں دیکھا۔

اس نے گھر سے تھوڑے فاصلے پر گاڑی روکی تھی۔

نیلم نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی، تب ہی ابراہیم نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

نیلم سن رہ گئی۔

صرف ایک لمحے کی بات تھی لیکن جس زاویے سے وہ اس کی طرف جھکا اور جس طرح بازو بڑھایا تھا، نیلم نے ایک طرح سے خود کو اس کے حصار میں محسوس کیا تھا، اس کے پرفیوم کی مہک کچھ اور گہری ہوئی تھی۔

دروازہ کھلتے ہی وہ ایک پل بھی ضائع کیے بغیر باہر نکلی تھی۔

ابراہیم کو پتا بھی نہیں چل سکا تھا کہ اس نے نیلم کو کتنا نروس کردیا تھا۔ اس نے گاڑی سٹارٹ نہیں کی جب تک کہ اس نے نیلم کو گیٹ سے اندر داخل ہوتے نہیں دیکھ لیا۔

یونہی چند لمحے اس بند گیٹ پر نظریں جمائے جمائے اسے وہ دن یاد آیا جب نارنجی رنگ کے لباس میں سجی دھجی نازک سی نیلم اچانک اس کے سامنے آئی تھی۔ رمیز کی وجہ سے اس کا ان کے گھر آنا جانا لگا ہی رہتا تھا، وہ اگرچہ اس کے سامنے کم کم ہی آتی تھی مگر پھر بھی ابراہیم کے لیے اس کا چہرہ کچھ نیا نہیں تھا، مگر آج رمیز کی بارات کی اس بھیڑ بھاڑ میں جب نیلم اس کی نظروں کی گرفت میں آئی، وہ کچھ دیر تو پلکیں جھپکنا بھی بھول گیا تھا۔

اور پھر اس کے اگلے دو تین دن تک وہ ابراہیم کے اعصاب پر اس قدر سوار رہی تھی کہ وہ پریشان ہو کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ وہ اس قسم کا نہیں تھا، اسے تو حیرت ہوتی تھی کہ کیسے پہاڑ جیسے مضبوط مرد عورت کی ایک ادا پر سدھ بدھ کھو بیٹھتے ہیں۔ اسے نجانے کتنے دن، کتنی راتیں لگی تھیں، ہزار جتن، ہزار کوششوں سے اس کا چہرہ اپنی یادداشت سے دھندلانے میں۔

تب۔ ابا جی نے اس سے ایسی بات کہی کہ اس کے اعصاب سنسنا اٹھے۔

وہ چچا جبار کی بیٹی کے لیے اس کی رائے طلب کر رہے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتا۔ لیکن اس نے اپنی رضامندی دینے میں ایک لمحے کا بھی وقت نہیں لیا۔ اور جب اسے اس بات کا احساس ہوا تو ابا جی خوشی خوشی اس کے پاس سے اٹھ کر جا چکے تھے۔

وہ اندر تک خوف زدہ ہو گیا۔ اسے ایسی بے اختیاری پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ہاں مگر یہ ضرور ہوا کہ رشتہ ہونے کے بعد وہ اسے زیادہ سہولت سے سوچنے لگا تھا، اور آج نیلم سے بات کرنے کے بعد جو کہیں تھوڑا بہت کھٹکا تھا بھی دل میں، وہ بھی دل سے نکلا۔ خوشی تو تھی ہی مگر طمانیت کا احساس اس سے زیادہ گہرا تھا۔

☆☆☆

وہ برآمدے میں بچھی چارپائی پر کروٹ کے بل لیٹی تھی، نظریں گلاب کے پودے پر تھیں، ذہن کے پردے پر بس ایک ہی منظر چل رہا تھا۔

ابراہیم سے ملاقات کا منظر۔

وہ سب کتنا عجیب تھا۔ اس کی باتیں، اس کی نظریں۔ اسے یاد آئیں اور ایک لہر سی اس کے پورے وجود کو لرزا گئی۔

"نیلی۔"

بھابھی کی آواز آئی تھی، اس نے رخ نہیں بدلا۔ اس نے چارپائی پر ان کا بیٹھنا محسوس کیا۔

"آج یہیں سوؤ گی؟" پوچھتے ہوئے ان کی نظریں اس کی پشت پر تھیں۔ اس کی سیاہ قمیص کے پیچھے گلے سے جھانکتا اس کا خیرہ کن رنگ اور پتلی کمر پر پڑی اس کی موٹی بل کھاتی چوٹی۔

انہیں بڑی خواہش تھی اپنی اس حسین نند کو اپنی بھابھی بنانے کی۔ مگر رمیز نے پہلی بار اس کے منہ سے یہ بات سنتے ہی جس سختی سے منع کیا، انہیں دوبارہ منہ کھولنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔

اب تو ویسے بھی ابراہیم کے سامنے کہاں اویس کا چراغ جلتا۔

"نہیں۔ جارہی ہوں اپنے کمرے میں۔" اس نے کروٹ بدلی۔

"تو نے اماں کو تو نہیں بتایا کہ تو ابراہیم کے ساتھ آئی ہے؟" انہوں نے اس کے دہکتے رخساروں کو بغور دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھا، اس نام پر اس کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

"بتانا بھی نہ۔ وہ پرانے خیالات کے ہیں، انہیں اچھا نہیں لگے گا۔" ان کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

"کیوں بھابھی۔ وہ گھر بھی تو آتا ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"وہ گھر نہیں آتا، بیٹھک میں ہی رہتا ہے اور رشتہ ہونے کے بعد سے تو ایک بار ہی آیا تھا وہ بھی تیرا بھائی اسے لے کر آیا تھا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ نہیں بتاتی۔" اس نے بازو میں چہرہ چھپایا۔ بظاہر کتنے نارمل حالات تھے مگر درحقیقت نہیں تھے اور یہ صرف وہ جانتی تھی۔ اس کا دل ایک دم بھر آیا تھا۔

"چل فر۔" وہ اسے تھپتھپا کر اٹھیں۔ "چائے پیے گی؟"

"تھوڑی سی۔" اس کی آواز بھی بھاری ہوئی تھی مگر شکر رہا کہ انہوں نے محسوس نہیں کیا۔

گرم گرم لاوا اس کی آنکھوں سے بہہ کر تکیے میں جذب ہوا تھا۔

"میرے ساتھ یہ کیوں ہوا۔ میرے ساتھ ہی کیوں؟" اس کے سینے میں چیخیں ہی دبی تھیں، پہلے پہل صرف خوف تھا، فکر اور پریشانی تھی اور اب آج ابراہیم سے ملنے کے بعد یہ خوف ایک عجیب سے دکھ، عجیب سی تڑپ میں بدل گیا تھا۔ وہ بس سوچتی جارہی تھی، گھلتی جارہی تھی، دھوپ میں پڑی برف کی ڈلی کی طرح۔

اسے اب سمجھ میں آرہا تھا، آذر اس کی زندگی میں آندھی بن کر آیا تھا جبکہ وہ اسے بہار کا جھونکا سمجھی تھی۔ وہ خود کو بہت عقل مند تصور کرتی تھی مگر جب اس نے آذر ملک کو خود میں دلچسپی لیتے محسوس کیا تو ساری عقل دھری کی دھری رہ گئی۔ وہ پہلے پہل گھبرا رہی تھی، ان کے درمیان ذیارہ تر رابطہ فون پر تھا۔ وہ فون جو اس کی نجانے کتنی منتوں کے بعد رمیز بھائی نے اسے لاکر دیا تھا۔ وہ روایتی بے جا پابندیاں لگانے والے سخت گیر قسم کے بھائی نہیں تھے، اور نیلی تو اپنی ہر فرمائش ابا سے زیادہ بھائی سے کیا کرتی تھی۔ اماں کو البتہ اعتراض تھا اس موبائل پر، انہیں گھر بیٹھی کنواری لڑکیوں کا موبائل رکھنا بالکل پسند نہیں تھا۔ یہ رمیز بھائی ہی تھے جنہوں نے ان کے ہر اعتراض کا جواب ہنس ہنس کر دیا تھا۔

اور اب جب اسی موبائل پر آذر کال یا میسج کرتا تو وہ دل ہی دل میں بھائی سے سخت شرمندہ ہوتی۔ مگر آذر پھر بھی مطمئن نہیں تھا، یہ چند منٹ کی باتیں یا کچھ میسجز پر قناعت اس کے مزاج کی بات نہیں تھی۔ وہ اسے ملنے کے لیے بلا رہا تھا۔ اور یہیں آکے نیلی ایک دم سے ہوش میں آئی تھی۔ اس کا دل اور ضمیر دونوں اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ سعدو اس کے بچپن کی سہیلی جس سے وہ کبھی کوئی بات نہیں چھپاتی تھی، پچھلے دو مہینوں سے وہ اس سے اپنا یہ معاملہ چھپانے میں بخوبی کامیاب تھی۔ مگر اب جب آذر

ملنے کی ضد پر اڑا تو اسے سعدو کو اس راز میں شریک کرنا ہی پڑا۔

وہ سنتے ہی چیخ اٹھی تھی۔

"کیا؟ تو پاگل ہوگئی ہے، تو جانتی بھی ہے وہ کس طرح کا بندہ ہے؟"

"کس طرح کا ہے وہ؟" وہ یوں ٹھنکی جیسے اسے کچھ پتا ہی نہ ہو۔

"تو اچھی طرح جانتی ہے۔ ایک نمبر کا آوارہ بدمعاش ہے۔ باپ کی طاقت پر اکڑتا پھرتا ہے، کمزوروں پر دھونس جماتا ہے۔ شراب، جوا، چرس جانے کن کن لعنتوں میں پڑا ہوا ہے۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ وہ شہر میں "ان" عورتوں کے پاس بھی جاتا ہے۔"

آخری بات پر سعدو کا لہجہ سرگوشی میں ڈھلا۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ گھر میں اس وقت صرف وہی دو تھیں۔

"یہ سب افواہیں ہیں۔" اس کا دفاعی لہجہ کمزور تھا۔ "اور۔ اور وہ مجھے پسند کرتا ہے سچ میں۔"

"یہ بول کہ تو اسے پسند کرتی ہے۔ اس سے تو اچھا ہوتا تو ابراہیم کو پسند کرتی۔ ہائے کتنا سوہنا ہے وہ۔" سعدو کے لہجے میں حسرت آسمائی۔

"ہونہہ۔ وہ تو اتنا اکڑو ہے، کسی پر ایک نظر ڈالنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہہ کر سر جھٹکا۔

"پر تیرے گھر تو اس کا آنا جانا ہے۔ رمیز بھائی کا دوست ہے ناں؟ میں تو سمجھی تھی تیرا اگر کچھ معاملہ بنا بھی تو ابراہیم سے بنے گا۔ یہ تو کہاں اس کے آوارہ بھائی کے چکر میں پڑ گئی میری لاڈو۔" تفکر سے اسے دیکھتے ہوئے سعدو کا لہجہ تشویش سے پر تھا۔

"سن۔ وہ مجھے ملنے کے لیے بلا رہا ہے۔" اس نے جھک کر کہتے ہوئے جونہی یہ بات کہی، سعدو کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

"نہیں۔ میں اس سے ملنے نہیں جا رہی۔ بس تجھے بتا رہی ہوں۔" اس کے تاثرات پر اس نے گھبرا کر وضاحت پیش کی۔

"تو نے اگر اس سے ملنے جانے کا سوچا بھی ناں نیلی تو قسم کھاتی ہوں، تیرے گھر آ کر تیرا بھائڑا پھوڑا دوں گی۔" سعدو کے انداز میں اتنی خطرناک سنجیدگی تھی کہ وہ ہول گئی۔

"نہیں۔ جا رہی۔ تو مجھے ڈرانا بند کر۔" اس نے جھنجھلا کر اس کے بازو پر ہاتھ مارا۔

اس کا اگر کہیں کوئی ارادہ بننے بھی لگا تھا سعدو کی اس بات کے بعد اسے بھولنا ہی پڑا مگر آذر کہاں آرام سے بیٹھنے والا تھا۔

اس نے یہ کہہ کر اسے رام کر لیا کہ وہ امتحانات کے لیے شہر جا رہا ہے شاید ہی تین مہینے سے پہلے واپس آئے اگر وہ اس سے ملنے نہیں آئی تو وہ بھی واپس نہیں آئے گا۔

اس دوپہر آذر نے اسے فون کیا اور کہا "ڈیرے پر کوئی نہیں ہے، وہ اس کا انتظار کر رہا ہے۔"

اس بار اس نے سعدو کو بتانے کی غلطی نہیں کی تھی، سوچا بس پانچ منٹ کے لیے جائے گی اور واپس آ جائے گی، دل پھر بھی اندر ہی اندر سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

اس سنسان سی دوپہر میں وہ اماں کو سوتا پا کر گھر سے نکلی۔ ڈیرے تک آتے آتے دل میں کئی بار پلٹنے کا خیال بھی آیا مگر ڈیرے کی چوکھٹ پھلانگ ہی گئی۔

آذر نے کہا، وہ اکیلا ہے۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ مگر فضا میں ایک ناگوار سی بو پھیلی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر اسے پہچاننے کی کوشش کی اور ناکام رہی۔

"رک۔ میں دروازہ بند کر کے آیا۔" وہ اسے دیکھ کر کھل گیا تھا۔

"نہیں۔ دروازہ بند مت کر۔" اس نے بے

اختیار روکا۔

"کیوں۔ اچانک کوئی آگیا تو۔ بھائی آسکتے ہیں۔" وہ حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔

جبکہ وہ اس کی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ جس میں گلابی ڈورے تیر رہے تھے۔ اسے اچانک ہی سمجھ میں آگیا۔

"تم نشہ کر رہے تھے؟" اس ناگوار بو کا سبب یہی تھا۔ پھر سعدی کی باتیں بھی ابھی ذہن میں تازہ تھیں۔

"کیا۔ نہیں تو۔" وہ گڑبڑا گیا۔

"ہاں۔ تم چرس پی رہے تھے۔" تیز لہجے میں پوچھتے ہوئے اس کی نظر میز پر پڑے سگریٹ کے ٹوٹوں پر پڑ چکی تھی۔

"ہاں۔ تو؟ اس سے تیرا کیا لینا دینا۔" وہ کیسا ڈھیٹ تھا۔

اس کے اندر غصے کی بڑی بھرپور لہر اٹھی۔ "تم نشہ کر رہے تھے اور تم نے پھر بھی مجھے آنے کو کہا؟"

"ہاں تو یہ وہ والا نشہ تھوڑی ہے، پاگل ہے کیا، شراب تھوڑی پی ہے۔" وہ جھنجھلا گیا۔

"مجھے یہاں تیرے ساتھ اکیلے نہیں رہنا۔" وہ جانے کو پلٹی۔

"کھا نہیں جاؤں گا تجھے۔ رک جا۔" وہ اس کے سامنے آیا۔ "تجھے مجھ پر یقین نہیں ہے؟"

نیلم نے غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں آنکھیں میچیں۔ وہ کبھی گالی دیتی نہیں تھی مگر اس یقین والی بات پر اس کا دل چاہا، وہ اسے گالی دے۔ چرس کے سوٹے لگا کر، نشے سے سرخ آنکھیں لیے وہ اسے ملنے بلا رہا تھا اور بات یقین کی کر رہا تھا۔ مگر یہ اکیلے آذر کی غلطی تو نہیں تھی۔ یہاں تک آئی تو وہ خود تھی۔

"اگر تم ابھی مجھے روکو گے نہیں، تو کر لوں گی یقین۔"

"تو اب ضد کر رہی ہے۔" اس کی گہری آنکھوں میں سرخی کے ساتھ ابھرتی ایک کیفیت اور تھی جس نے نیلم کو خوف زدہ کر دیا۔

"تم ضد کر رہے ہو، ہٹو میرے سامنے سے۔" اس کے اب سچ میں توتے اڑنے لگے تھے، وہ اسے دھکیل کر جانا چاہتی تھی جب ہی آذر نے ایک دم سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"کہا ناں میں نے۔ یہاں تک آگئی ہے تو تھوڑی دیر رک۔" اس کا لہجہ پرسکون تھا مگر گرفت میں سختی اور جارحیت بھری تھی۔

وہ ساکت ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ دل تھا کہ سرپٹ بھاگ رہا تھا، اور ذہن مسلسل سوچنے میں مصروف۔

اس کا رواں رواں یہاں سے صحیح سلامت نکلنے کا متمنی تھا مگر کیسے۔ وہ اس سے زور آزمائی نہیں کر سکتی تھی، کرتی بھی تو ہار جاتی۔ اسے کچھ اور کرنا تھا۔

"اچھا رک رہی ہوں۔ چھوڑو میرا بازو۔" اس نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

اس کی گرفت ڈھیلی پڑی۔

وہ بس اس کے بھاری مضبوط ہاتھ کے اپنے بازو سے ہٹنے کا انتظار کر رہی تھی۔

اس کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا۔ اور پھر ایک دم ہی دروازے کی جانب دوڑ لگا دی۔

وہ اس کے پیچھے لپکا تھا۔

نیلم کو یہ امید بھی نہیں تھی کہ وہ اسے روکنے کی کوشش کرے گا۔ اس کا خیال تھا وہ اسے خوف زدہ بھاگتے دیکھ کر جانے دے گا یا پھر ہنس کر کہے گا کہ وہ بس اسے ڈرا رہا تھا۔

صرف چند گز کا فاصلہ تھا مگر اسے یوں لگ رہا تھا دروازے تک میلوں حائل ہو گئے ہوں۔ وہ اپنے جسم و جاں کی پوری توانائی لگا کر دروازے تک پہنچی اور آذر اس تک۔

اس نے ایک لمبی جست لگا کر چوکھٹ پھلانگی۔ اس کی چادر کا کونا آذر کے ہاتھ لگا تھا۔

اور ادھر وہ اس بڑی سی چھلانگ کے نتیجے میں

منہ کے بل زمین پر گری۔ اس کے گھٹنے بہت زور سے زمین پر لگے تھے۔ اور اس کی چادر بھی پیچھے اس کے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ مگر اسے نہ اپنی چادر اور نہ اپنی تکلیف کی پرواہ تھی۔ وہ اٹھ کر بنا مڑ کے دیکھے دیوانہ وار بھاگی۔ کچھ آگے ہی کھیتوں کا سلسلہ تھا۔

وہ ننگے سر بس کھیتوں کے بیچوں بیچ بھاگتی چلی جارہی تھی۔ یہ زمینیں بھی ملکوں کی تھیں مگر اس کی خوش قسمتی کہ اسے ابھی تک کوئی نظر نہیں آیا تھا۔

اسے کوئی احساس نہیں تھا، وہ کتنی دیر بھاگتی رہی، ہوش تب آیا جب اس نے خود کو ماسی شاداں کے دروازے کے آگے پایا۔ اس نے دروازہ دھڑ دھڑایا تھا۔

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے روئے جارہی تھی اور سعدو اسے پانی پلانے کے بعد اب سر پکڑے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

یہ تو اچھا ہوا کہ ماسی گھر پر نہیں تھی، ورنہ وہ اپنی حالت کی وضاحت کس طرح دیتی۔ خوف و دہشت کے حصار سے نکل کر اس محفوظ پناہ گاہ میں آتے ہی دل کا درد جیسے انگڑائی لے کر بیدار ہوا تھا، اپنی توہین کا احساس روم روم سلگانے لگا تھا۔

"تو اپنی اوڑھنی کہاں چھوڑ آئی ہے نیلی۔ ہمیں وہ واپس جا کر ڈھونڈنی ہوگی۔" سعدو پریشانی سے کہہ رہی تھی۔

"میں وہاں واپس نہیں جاؤں گی، نہیں جاؤں گی۔ نہیں جاؤں گی۔" وہ وحشت زدہ ہو کر چلانے لگی۔

"اچھا۔ چپ کر۔ مت جا۔ میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی ڈھونڈنے۔" اس نے گھبرا کر اسے چپ کرایا۔

"تو بھی نہیں جائے گی۔ اس نے تجھے پکڑ لیا تو" اس نے سعدو کو سختی سے جکڑ لیا۔

"نہیں کرسکتا وہ مجھے کچھ۔ تو سانس لے لے۔"

سعدو نے اسے اپنی چادر اوڑھائی تھی۔ اس نے گھرا کیلے جانے سے انکار کر دیا تھا، اس لیے وہ دروازے کو کنڈی لگا کے اس کے ساتھ ہو لی۔

راستہ وہی تھا اور اس راستے پر چلتے ہوئے اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ اس وقت اس کے پیروں سے حقیقی معنوں میں جان نکلی جب اس نے ابراہیم کو وہاں اپنے چند مزارعوں کے ساتھ کھڑا دیکھا۔

"سعدو۔" اس نے لرزتے لہجے میں کہتے ہوئے سعدو کے بازو میں انگلیاں گاڑیں۔

"ابراہیم یہیں ہے۔ اس نے مجھے دیکھا ہوا ہو تو۔"

"نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔ تو مت دیکھ ادھر۔" تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے سعدو نے اسے سرزنش کی۔

مگر اس کا فائدہ نہیں ہوا۔ ابراہیم نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ اس کے دل نے اور رفتار پکڑی۔

مگر ایک سرسری نگاہ ان پر ڈال کر وہ پھر سے باتوں میں مشغول ہو گیا تھا۔

اسے ذرا اطمینان ہوا۔

وہ گھر آئی تو اس کے موبائل پر آذر کے لاتعداد میسجز اور مس کالز تھیں۔

اس کا کہنا تھا، وہ بس اسے روکنا چاہتا تھا۔ وہ اسے غلط سمجھی ہے۔ معافی تلافی کی باتیں، یقین کرنے کی باتیں۔

اس کے ہونٹوں پر زہر خند مسکراہٹ آئی۔ وہ اس کے ہاتھ سے صحیح سلامت نکل آئی تھی اب تو اسے رنگ بدلنا ہی تھا، بھیڑیے سے بھیڑ کی کھال پہننی ہی تھی۔

اس نے سب کچھ ڈیلیٹ کر کے نمبر بلاک لسٹ میں ڈالا تھا۔ اور پھر موبائل ہی آف کر دیا۔

اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا، سعدو کے گھر جانا بھی۔ چند ہفتے مکمل سوگ منانے کے بعد جب بھائی کی شادی کا ہنگامہ شروع ہوا تو اسے وقتی طور پر سب کچھ بھولنا ہی پڑا۔ موبائل بھی اس نے تب ہی آن کیا تھا۔ اور ایک بار پھر اس کے میسجز آنے لگے

مگر اب نمبرز مختلف تھے۔ نیلی خاموش ہی رہی۔اور پھر اچانک وہ بھی خاموش ہوگیا۔ پتا نہیں تھک ہار کے یا کسی نئے موقعے کی تلاش میں۔ نیلم نے اطمینان کی سانس لی تھی۔ جیسے بھی تھا، اس کی جان چھوٹی۔اور واقعی چھوٹ جاتی اگر ابراہیم کا رشتہ اس کے لیے نہ آتا۔

اس رشتے سے جہاں اس کی راتوں کی نیند اڑی تھی، وہیں آذر بھی انگاروں پر لوٹ گیا تھا۔اور اس نے پھر سے اس کی زندگی جہنم بنانے کی ٹھان لی تھی۔

☆☆☆

ابراہیم پچھلے پندرہ منٹ سے جیرے کی کلاس لگائے ہوئے تھا کیونکہ وہ ڈیرے کو خالی چھوڑ کر دروازہ بھی چوپٹ کھلا چھوڑ کر گیا تھا۔اس کے حکم کے مطابق کسی ایک کو ہمہ وقت ڈیرے پر موجود رہنا تھا۔ بات صرف کام کی نہیں تھی، ان کے مہمان بھی اکثر آتے رہتے تھے، جن کی خاطر تواضع بھی ان ہی دونوں کے سپرد تھی۔

ناشتے کے لیے نیچے اترا آذر یہ آوازیں سن کر اس طرف آیا۔

ایک نظر سر جھکائے مسکین سی صورت بنائے جیرے پر ڈالی اور دل پسیج گیا۔

"اس کی غلطی نہیں تھی۔اسے میں نے کہا تھا جانے کے لیے۔"

ابراہیم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو اپنی مداخلت سے اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے اب اس ایزی چیئر پر بیٹھ رہا تھا۔آنکھیں سرخ، بال بکھرے۔ گریبان کے اوپری بٹن کھولے۔

"تم نے کیوں کہا تھا؟" ابراہیم کے لہجے میں ناراضی نہیں تھی مگر پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں ضرور ابھری تھیں۔ یہ ناگواری صرف اس کی بات پر نہیں اس کے حلیے پر بھی تھی جسے دیکھ کر صاف لگ رہا تھا کہ اس کا نشہ ابھی بھی پوری طرح نہیں اترا۔

اپنی گلو خلاصی پر جیرے نے متشکرانہ نظروں سے آذر کی طرف دیکھا تھا۔

"اس نے کہا، اس کی گھر والی کی طبیعت خراب ہے اور میں موجود تھا ڈیرے پر۔تو میں نے کہہ دیا چلے جاؤ۔" اس نے وضاحت دی۔

آذر نے مزید کوئی سخت بات کہنے سے پہلے جیرے کو جانے کا اشارہ کیا پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"پہلی بات تو یہ کہ اس کی بیوی کی طبیعت سال کے چھ مہینے خراب ہی رہتی ہے،، اور اگر تم نے اسے جانے کے لیے کہہ ہی دیا تھا تو خود تو رکتے۔خود بھی نکل گئے بنا کسی کو بتائے؟"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر جلتی آنکھیں رگڑیں۔ نیلم نے اتنا دماغ خراب کیا تھا کہ اسے دھیان ہی نہیں رہا کہ وہ دروازہ ہی بند کر دے۔سر جھٹکتے ہوئے وہ دماغ میں بجتی سیٹیاں شانت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔" ابراہیم نے کڑے لہجے میں اپنا سوال دہرایا تھا۔

"ٹھیک ہے ہوگئی غلطی۔ یہ اتنی بھی بڑی بات نہیں تھی۔کوئی چوری یا ڈاکہ تو نہیں پڑا ناں۔" ایک دم سے ابراہیم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اس کا انداز حد درجہ بدتمیزی کا تھا۔

ابراہیم کی آنکھوں میں بے یقینی منجمد ہوئی۔ان کے درمیان بے تکلفی تو نہیں تھی مگر آذر نے کبھی اس طرح بھی اس سے بات نہیں کی تھی۔

"میرے دوست آئے تھے دوسرے گاؤں سے۔ایک گھنٹہ خالی ڈیرے میں بیٹھ کے انتظار کیا، کوئی پانی تک پوچھنے والا نہیں تھا۔ جب میں آیا وہ جانے کے لیے نکل چکے تھے۔ کتنی شرمندگی ہوئی مجھے تمہیں اندازہ بھی نہیں۔" تلخ لہجے میں اپنے غصے کا اصل سبب بتاتے ہوئے ابراہیم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

یہ سن کر اسے کچھ افسوس تو ہونا چاہیے تھا مگر بے

حسی اور چیز تھی۔ وہ تو اس وقت الگ ہی آگ میں جل رہا تھا، بس اجنبی سپاٹ نظروں سے اسے گھورتا رہا۔

ابراہیم تک اس کی آنکھوں، اس کے وجود سے نکلتی ان دیکھی سلگتی لہریں جیسے پہنچ گئی تھیں۔ وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتا سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم آج کل کون سے نشے کر رہے ہو؟"

"میں کوئی نشے نہیں کر رہا۔" وہ عجیب سی ہنسی ہنسا۔

"ہاں۔ تمہاری شکل پر لکھا نظر آ رہا ہے یہ۔" ابراہیم نے اس کے حلیے کی طرف اشارہ کیا۔ اسی وقت چچی بھی وہاں آ گئیں۔

آذر بھی اپنی جگہ سے اٹھا۔ "آپ کہتے ہیں، میں آپ کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑاؤں، تو آپ بھی میرے معاملات سے دور رہیں۔ میں ہیروئن پھونکوں یا شیشہ۔ وہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔" تڑخے ہوئے لہجے میں کہہ کر وہ تیزی سے اس سے تقریباً لگ کر باہر نکلا تھا۔

"آذر۔۔۔" چچی نے پرجلال آواز میں اسے پکارا تھا مگر آذر سننے کو رکا نہیں۔

وہ پریشان نظروں سے ابراہیم کو دیکھنے لگیں۔

"آپ کو اسے بٹھا کر بات کرنی چاہیے بلکہ چچا جی کو۔ کیونکہ یہ اچھے آثار نہیں۔" ابراہیم کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔

"میں۔ میں کروں گی بات۔" چچا کے نام پر چچی فوراً گھبرا کر بول پڑیں۔ "تو فکر مت کر، بس اپنے چچا کے سامنے یہ ذکر مت چھیڑنا، تو جانتا ہے وہ کیسے ہیں۔ سمجھانے کے بجائے اگر غصے میں کچھ الٹا فیصلہ کر لیا تو۔" ان کے آنکھوں میں ہراس تھا اور لہجے میں التجا۔

ابراہیم نے ایک گہری سانس لی۔

"آپ سمجھ نہیں رہیں چچی!، بات اب آپ کے سمجھانے سے نکل چکی ہے۔" وہ کہنا چاہتا تھا مگر ان کی التجائیہ نگاہوں نے اسے یہ کہنے سے باز رکھا۔

جس وقت وہ دونوں یہ بات کر رہے تھے، اوپر اپنے کمرے میں اپنے سائڈ ٹیبل کی درازیں کھنگال رہا تھا، آخر ایک میں اسے اپنی مطلوبہ پڑیا ملی۔ اس سفید سفوف کو ٹیبل پر ڈال کے اس پر جھک گیا۔

لمحوں میں رگوں میں دوڑتا اضطراب ثابت ہوا تھا، وہ آنکھیں بند کیے اس سرور میں ڈوبنے لگا۔ اس کا مسئلہ الگ تھا، اسے ابراہیم سے نفرت نہیں تھی نہ نیلم سے محبت۔ مگر وہ جس طرح ایک پھرتیلی چڑیا کی مانند اس کے ہاتھ آ کر نکلی تھی، اس دن سے اس کا روم روم سلگ رہا تھا، وہ پہلے چاہتا تھا کہ وہ اس کی باتوں میں آ کر اس سے پھر ملنے پر راضی ہو جائے تاکہ وہ اس دن کا چھوڑا ادھورا کام پورا کر سکے مگر اب۔ ابراہیم آ گیا تھا بیچ میں۔ جسے وہ بن مانگے مل رہی تھی۔ یہ اسے گوارا نہیں تھا، چاہے وہ اس سے دل لگی کرے، چاہے وہ اسے توڑے پھوڑے مگر ابراہیم کی سنگت میں اس کی خوش حال زندگی کا تصور ہی اس کے تن من میں انگارے بھر دیتا تھا۔ یہی انگارے اب وہ نیلم کی زندگی میں بھرنا چاہتا تھا چاہے اس کے لیے اسے کسی بھی حد تک جانا پڑتا۔

☆☆☆

بھابھی رنگ برنگے ملبوسات بکھرائے سعدو کو دکھا رہی تھیں جو خاص اسی مقصد سے آئی تھی۔ یہ شاپنگ بھابھی اماں کے ساتھ شہر کی بڑی مارکیٹ سے کر کے لائی تھیں۔

نیلم نے سر درد کا بہانا بنا کر جانے سے انکار دیا تھا یہ کہتے ہوئے۔

"آپ جانتی تو ہیں بھابھی، آپ کی اور میری پسند ایک ہے، آپ جو بھی لائیں گی، مجھے اچھا ہی لگے گا۔"

اور بھابھی کو ماننا پڑا، حالانکہ اماں نے بھی کہا، ایک بار شادی کی تاریخ طے ہو گئی پھر اس کا گھر سے نکلنا نہیں ہو گا کیونکہ اس جمعے کو وہ تاریخ لینے آنے والے تھے مگر نیلی کا ارادہ نہیں بدلا۔ اسے اندر ہی

اندر خوف سا لاحق تھا کہ ان تیاریوں کا حاصل کچھ نہیں۔ سب دھرا رہنے والا ہے۔ جو خطا وہ کر چکی، وہ اس کی زندگی میں یہ سنہرا دن آنے سے پہلے ہی نگل لے گی۔

سعدو اس کے پاس آئی، بغور اس کی سفید پڑتی رنگت کو دیکھا، اس کا حسن کملا رہا تھا۔ "کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے ایک نظر شاپنگ سمیٹتی بھابھی کو دیکھا۔

"تیرے کمرے میں چلیں؟" اس نے پوچھا تھا۔

نیلم سر ہلاتے ہوئے اٹھی۔

"اب بول۔ کیا بات ہے؟" اس کے ساتھ کمرے میں آتے ہی سعدو نے اپنا سوال دہرایا۔

"میں ابراہیم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" وہ بے دم سی پلنگ کے کنارے ٹکی۔

"کیا بات کرے گی اس سے؟" سعدو سنجیدگی سے اس کا چہرہ تک رہی تھی۔

"سب سچ بتاؤں گی اسے۔" وہ اضطراری انداز میں مٹھی کھول اور بند کر رہی تھی۔

"اور سب سچ سننے کے بعد وہ یہ شادی کرے گا؟"

"تجھے شادی کی پڑی ہے؟ ادھر میری جان سولی پر ٹنگی ہے۔ آذر یہ شادی ویسے بھی نہیں ہونے دے گا اور اس سے پہلے کہ وہ ابراہیم کو وہ سچ بتائے جو سچ ہو بھی نہیں۔ میں ہی اسے سب سچ بتا دوں۔ اس طرح شاید وہ مجھ سے کم نفرت کرے۔" اس کا لہجہ ٹوٹنے لگا تھا، وہ ہاتھوں میں منہ چھپائے سسک اٹھی۔

"اس کا نمبر ہے تیرے پاس؟" سعدو اس کے پاس آ بیٹھی۔

وہ چونکی۔ "نہیں۔ نمبر تو نہیں۔"

"رمیز بھائی کے پاس تو ہوگا۔"

"نہیں، فون پر نہیں۔ میں اس سے آمنے سامنے بات کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"یہ مشکل ہوگا۔" سعدو سنتے ہی گھبرائی۔

"کوئی مشکل نہیں ہوگا۔ تو اسے آسان کرے گی۔"

"کیا مطلب؟" وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہم تیرے گھر میں بات کر سکتے ہیں۔" اس نے یہ پہلے سے سوچا ہوا تھا۔

"تو پاگل ہو گئی ہے نیلی۔ کسی کو پتا چل گیا تو۔"

"نہیں چلے گا، تیرا گھر کون سا گاؤں میں ہے۔ تو ہی سوچ، میں اس سے اور کہاں بات کروں گی۔ اسی لیے کہہ رہی ہوں۔ جب ماسی گھر پہ نہ ہو۔ میں آؤں گی وہاں اور۔۔۔ اور۔"

"اور ابراہیم کو کیسے بلائے گی۔" سعدو جو پہلے ہی اس کی بات پر چڑی ہوئی تھی طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"وہ بس میں کر لوں گی رمیز بھائی کے فون سے اس کا نمبر لے کر۔ تو بتا ماسی کب جائے گی رفعت آپا کے گھر؟"

سعدو کی بڑی بہن دوسرے گاؤں بیاہی تھی، ماسی ہفتے دو ہفتے بعد وہاں چکر ضرور لگاتی تھی۔

"وہ تو پچھلے جمعے ہی گئی تھی، اب تو ہو سکتا ہے، آپا آئے۔" سعدو نے بتاتے ہوئے اس کے مایوسی کے سائے لہراتے دیکھے۔ "اچھا تو فکر مت کر۔ یہیں کہیں جائے گی تب بھی آ کر تجھے بتا دوں گی۔ اماں گھر میں کب ٹکتی ہے بھلا۔" پہلے اس آئیڈیے کے خلاف تھی اب نیلی کا اترا ہوا منہ اسے اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر گیا۔

"تو بس مجھے بتا دے۔ کب کرے گی یہ کام؟"

"اسی ہفتے۔ مطلب ان کے تاریخ لینے آنے سے پہلے پہلے۔" اس نے لرزتی آواز میں جواب دیا۔

سعید نے ترحم بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا ، وہ سمجھ گئی تھی اس کی بات کا مطلب۔ یعنی اگر ابراہیم اپنا ارادہ بدلے تو پھر گھر والوں کو آنے کی زحمت ہی نہ دے۔ سعدو کو اس کا دکھ اپنے دل میں کھبتا محسوس ہو رہا تھا۔ بھلا کون ہوگا ایسا بے وقوف جو خود ہی اپنے ہاتھوں سے ابراہیم جیسا ہیرا گنوا دے۔

☆☆☆

وہ کافی عجلت میں ڈیرے پر آیا تھا اور آتے ہی اس کونے والے کمرے میں گھسا جدھر زرعی آلات اور دیگر مشینری ہوتی تھی۔ وہ کچھ ڈھونڈ رہا تھا، منظور حیرت سے اس کی سرگرمی دیکھ رہا تھا، اسی وقت ابراہیم کی بھی آمد ہوئی تھی۔ وہ منظور کو آواز دیتے ہوئے اس طرف آیا تھا اور پھر آذر کے اس سرچ آپریشن نے اسے بھی کھٹکنے پر مجبور کر دیا۔

"کیا ڈھونڈ رہے ہو، کوئی نشے کی پڑیا ادھر کھو گئی ہے کیا؟" ابراہیم طنز کیے بنا نہیں رہ سکا۔

آذر جس نے اس ذرا سی دیر میں ہی پورا کمرہ کھود ڈالا تھا، کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا چونک کر اسے دیکھنے لگا، اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے تھے اس مشقت سے۔

"کچھ نہیں۔" کسی قدر کھسیا کر نظریں چراتا وہ باہر نکلا۔ "منظورے۔ ذرا باہر آ۔"

ابراہیم الجھا ہوا سا اس کی پشت دیکھتا رہا۔ یقیناً اب وہ منظور سے مدد لینے والا تھا۔ مگر کس لیے؟

ابراہیم کو زیادہ سوچنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ اسی وقت اس کا فون بجنے لگا تھا۔

اس نے سیل نکال کر اسکرین پر نظر ڈالی، نمبر انجان تھا۔

اس نے کال ریسیو کر کے سیل کان سے لگایا۔ انجان نمبر اس کے لیے حیرت کا باعث نہیں تھا، اس کا حلقہ احباب کافی وسیع تھا۔

"ہیلو۔" وہ کسی مردانہ آواز کی توقع کر رہا تھا مگر دوسری طرف سے اس نرم نسوانی آواز نے اسے جھٹکے سے دوچار کیا۔

"جی بولیں۔" وہ بے چینی سے برآمدے سے نکل کر اس چھتنار درخت کی چھاؤں میں آیا۔

"میں نیلم بات کر رہی ہوں۔ بات کرنی تھی آپ سے۔" اس کی لرزتی آواز میں اعتماد کا فقدان تھا۔

"نی۔لم۔" وہ جتنا حیران ہوتا اتنا کم تھا۔ اس پر مستزاد اسی وقت آذر اور منظور دوبارہ مہمانوں کے لیے اس کمرے سے نکل کر اس طرف آتے دکھائی دیے۔

"ایک منٹ۔ میں کال کرتا ہوں تمہیں۔" اس نے جلدی سے کال کاٹی تھی۔ وہ اتنا حیران و پریشان تھا کہ اسے لگا وہ دونوں بھی اس کی حالت محسوس کر لیں گے اسی وجہ سے اس نے کال کاٹ دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ مل جائے تو بتا دینا۔" آذر منظور سے مخاطب تھا۔

"مجھے بھی بتانا پسند کرو گے، کیا ڈھونڈ رہے تھے؟" ابراہیم نے کافی وقت سے لہجہ نارمل کرتے ہوئے اس سے سوال کیا تھا۔

"لائٹر کھو گیا تھا میرا۔" وہ بتا کر جانا چاہ رہا تھا۔

"لائٹر؟" ابراہیم نے بھنویں اچکائیں۔ "اتنی بے چینی ایک لائٹر کے لیے؟"

"ہاں۔ پسند تھا وہ مجھے۔" جان چھڑانے والے انداز میں جواب دے کر وہ دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

ابراہیم نے سوالیہ نظریں منظور کی طرف موڑیں، اسے یقین ہو چکا تھا بات لائٹر کی نہیں ہو رہی تھی۔

وہ سٹپٹا سا گیا اس کی نظروں سے۔

"بتاؤ بھی۔ یا تم سے الگ سے پوچھنا پڑے گا؟" اس کے لہجے میں تندی آئی۔

اس دوران آذر ڈیرے سے نکل چکا تھا۔

"وہ۔ وہ۔" منظور ہکلایا۔ ابھی ابھی آذر اس سے رازداری کا وعدہ لے کر گیا تھا مگر وفادار تو وہ

ابراہیم کا تھا۔
"وہ کسی چادر کو ڈھونڈنے کی بات کر رہے تھے۔" اس نے دل ہی دل میں آذر سے معافی مانگ کر ابراہیم کے سامنے منہ کھولا۔
"چادر۔! " ابراہیم کی پیشانی پر شکنیں ابھریں۔ " کیسی چادر؟" اس کے لہجے میں تعجب تھا۔
"پتا نہیں باؤ۔ کہہ رہے تھے بھوری رنگ کی ہے جنانی۔ " منظور کہتے کہتے رکا۔ اسے پتا تھا کہ ابراہیم، آذر کی سرگرمیوں سے بخوبی واقف ہے پھر بھی اس وقت یہ بات کہتے ہوئے اسے ذرا جھجک ہوئی۔
ادھر ابراہیم کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ یہ کچھ عرصہ پہلے کی بات تھی جب اسے بھوسے کے ڈھیر میں کسی کپڑے کا کونا نکلا نظر آیا تھا۔ اس نے اسے کھینچا اور نتیجتاً پوری چادر اس کے ہاتھ میں آگئی۔ خوبصورت کڑھائی سے مزین اگرچہ اس ڈھیر میں پڑے رہنے سے رنگت تھوڑی خراب ہو چکی تھی مگر پھر بھی وہ زیادہ پرانی نہیں لگ رہی تھی۔
وہ اسے دیکھتا ہوا سوچتا رہا کہ یہ کس کی ہو سکتی ہے؟ کیا ڈیرے پر کوئی لڑکی آئی تھی؟ اگر ہاں تو اپنی چادر یہاں کیوں چھوڑ گئی؟
جواب آسان تھا مگر وہ اس زاویے سے سوچنا نہیں چاہتا تھا، اسی لیے اس دن کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے اس نے وہ چادر نہر کے حوالے کر دی تھی۔
وہ جس کسی کی بھی تھی، اس کا یوں ڈیرے میں موجود رہنا ٹھیک نہیں تھا۔
اور اب آذر اسی چادر کو ڈھونڈ رہا تھا، اب وہ اتنا اچھا تو تھا نہیں کہ اتنے وقت بعد وہ اسے اس کی مالکن کو دینا چاہ رہا ہو، یقیناً بات کچھ اور تھی۔
مگر اس وقت ایک اور الجھن بھی آذر کی منتظر تھی، اسی لیے وقتی طور اسے ذہن سے جھٹکتے ہوئے اس کا دھیان پھر سے نیلم کی طرف گیا تھا۔

مہمانوں والے کمرے کی طرف آ کر اس نے دروازہ بند کیا اور اس دبیز صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے اس نمبر پر کال بیک کی تھی۔
اس نے شاید موبائل ہاتھ میں ہی پکڑ رکھا تھا جب ہی تو پہلی بیل پر کال ریسیو کر لی۔
"ہیلو۔"
"ہاں نیلم۔ سب خیریت ہے نا؟" اس کی آواز سن کر اسے پھر بہت عجیب سا محسوس ہوا۔
"ہاں۔ خیریت ہے۔ وہ میں۔" اس کا ہکلاتا لہجہ ہچکچاہٹ بھرا تھا۔
"بولو۔ میں سن رہا ہوں۔ " ریسیور دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے ابراہیم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
" کیا آپ۔ آپ ماسی شاداں کے گھر آ سکتے ہیں؟" وہ سوال کر رہی تھی بے حد دھیمے لہجے میں۔ مگر وہ اچھل پڑا تھا۔
" کیا؟ کیوں؟" اس کے انداز میں حیرت ہی حیرت تھی۔
"بس آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ میں فون پر نہیں کرنا چاہتی۔ بتائیں۔ آ رہے ہیں۔" وہ جیسے منت سی کر رہی تھی۔
ابراہیم دنگ بیٹھا تھا۔
"تم مجھے ڈرا رہی ہو نیلم۔" کچھ دیر کی خامشی کے بعد وہ بولا تو آواز سرسراتی ہوئی تھی۔
دوسری طرف ایسی خاموشی چھائی جیسے وہ سانس تک روک گئی ہو۔
" کب آنا ہے؟" اس نے ایک گہری سانس لی۔
"ابھی۔" اس نے یہ کہہ کر اسے مزید انجانے خدشوں میں دھکیلا۔
مگر اس بار ابراہیم نے کوئی تاثر نہیں دیا، اس کے وہاں جانے کی دیر تھی، پتا چل ہی جاتا کہ معاملہ کیا ہے۔
"ٹھیک ہے۔ آ رہا ہوں۔" اس نے یہ کہہ کر

کال کاٹی تھی اور اپنی جگہ سے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔

☆☆☆

اس نے فون بند کیا تو سعدو جو بے چینی سے ٹہل رہی تھی پاس آ گئی۔

"کیا کہا؟"

"آ رہا ہے۔" اس کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"ابھی بھی وقت ہے، سوچ لے۔" سعدو کی رنگت آنے والے وقت کا سوچ کے ہی اڑی ہوئی تھی۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تو جا۔ ادھر ماسی کے کمرے میں۔ میں یہیں انتظار کرتی ہوں۔ وہ ڈیرے پر ہوا تو آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

وہ پوری کوشش کر رہی تھی خود کو نارمل رکھنے کی۔ اندر بھلے ہی وحشت و اضطراب پنجے گاڑے بیٹھا تھا۔ وہ دونوں اس وقت اس بیٹھک نما چھوٹے کمرے میں تھیں۔

"آج کیا دن ہے؟" سعدو نے اس کی بات ان سنی کی۔

"جمعرات۔" وہ موبائل پر نظریں جمائے گھڑیاں گن رہی تھی۔ اپنے اٹکتے دم کے نکلنے کی۔

"صرف ایک دن۔ وہ کیا کہہ کے اپنے گھر والوں کو منع کرے گا۔"

"تو جائے گی؟" اس کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ چلا اٹھی تھی۔

"جا رہی ہوں۔" سعدو مزید گھبرا کر باہر کی لپکی۔

اس نے ہاتھوں میں سر گرایا۔ اعصاب تھے کہ بس بکھرنے کو تھے۔

کچھ دیر ہی گزری تھی جب داخلی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

نیلم اپنی جگہ سے اچھلی تھی، وہ تیزی سے اٹھ کر باہر آئی۔ تب تک صحن کے دوسرے سرے پر سعدو بھی کمرے سے جھانک رہی تھی۔

اس نے اسے ایک نظر دیکھا پھر دروازے کی طرف آئی۔

دروازے کے قریب آ کر اسے احساس ہوا کہ کنڈی نہیں لگی تھی اور دروازہ بھی ادھ کھلا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پورا کھولا۔

ابراہیم سامنے ہی کھڑا تھا گہرے رنگ کے شلوار قمیض میں، آستینیں ذرا فولڈ تھیں اور بال تھوڑے بکھرے، جیسے اس نے بس ہاتھوں سے انہیں سنوارا ہو۔

وہ اسے رستہ دینے کو سائیڈ پہ ہوئی۔

وہ ذرا جھک کر اندر داخل ہوا تھا اور آتے ہی اسے گھر میں پھیلے اس پرہول سکوت کا احساس ہوا۔

"ماسی گھر پر نہیں؟" اس نے پلٹ کر نیلم سے پوچھا جو دروازے کو کنڈی لگا رہی تھی۔

"ہوتی تو آپ کو نہ بلا پاتی۔" وہ دھیمے سے کہہ کر بیٹھک کی طرف بڑھی۔

ابراہیم کی پیشانی کی شکنیں مزید گہری ہوئی تھیں۔

نیلم نے کن اکھیوں سے ماسی کے کمرے کی طرف دیکھا، سعدو اب نظر نہیں آ رہی تھی مگر اسے یقین تھا وہ اب بھی دروازے کی اوٹ سے چھپ چھپ کر دیکھ کر رہی ہوگی۔

وہ دونوں ایک ساتھ بیٹھک میں آئے۔ یہ روایتی دیہاتی طرز کی بیٹھک تھی، موڑھوں اور کشیدہ کاری سے کڑھی چادروں سے مزین چارپائیوں والی۔

"تم یہاں اکیلی ہو اور تم نے مجھے بلایا؟" ابراہیم نے جو سوال کیا" اس کا مطلب سمجھ کر وہ خود بھی پریشان تھا۔ اسے سعدو کی موجودگی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی، مجھے غلط مت سمجھیے۔" دونوں ہاتھوں کو مسلتے ہوئے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ایک پل کے لیے ابراہیم کو لگا وہ خود میں لرز رہی ہو۔ آتشی رنگ کے لباس میں ہم

رنگ دوپٹہ سر پر یوں اوڑھے کہ بائیں طرف سے اس کی شفاف گردن اور شانے پر آگے کو پڑی چوٹی بھی ابراہیم کی نظروں میں کی گرفت میں آسمائی تھی۔ اس پر اس کی آنکھوں میں چھایا ہراس اور رخساروں میں دہکتی آگ۔

"ٹھیک ہے۔ نہیں سمجھ رہا۔ اب بولو، کیا بات ہے؟" ابراہیم نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے بڑی مشکل سے اس کے وجود سے نظریں ہٹا کر اطراف میں دوڑائیں۔

وہ کچھ کہنے کے بجائے چارپائی کے کنارے ٹکی ، ٹانگیں ابھی سے بے جان ہونے لگی تھیں۔ سر اتنا جھکایا کہ ابراہیم کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔

یہ پیش بندی ایسی ہی تھی۔ جیسے سونامی کے سامنے ریت کی دیوار۔

اس طوفان کے لیے جو اس کے انکشاف کے بعد ابراہیم کے اندر سے نکلنے والا تھا۔

"بتاؤ گی بھی۔ کیا بات ہے!" ابراہیم کا صبر ختم ہو رہا تھا۔

"یہ ہمارا رشتہ ہونے سے کچھ وقت پہلے کی بات ہے۔" وہ لرزتے لہجے میں گویا ہوئی۔ اور ابراہیم کا ہر ایک عضو کان بن گیا۔ وہ پاگل نہیں تھا، سمجھ گیا تھا کوئی خوش گوار انکشاف نہیں سننے والا۔

"میری آذر سے فون پر بات چیت تھی۔" اپنے اور آذر کے تعلق کو اس نے کم سے کم مہلک الفاظ میں ابراہیم تک پہنچانے کی کوشش تھی۔

مگر یہ بات سنتے ہی ابراہیم جس طرح اپنی جگہ سے دو قدم پیچھے ہٹا تھا، نیلم تڑپ کر بے اختیار سر اٹھانے پر مجبور ہوئی۔

ابراہیم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، اس کے چہرے کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

"اور؟" اس کے ساکت لبوں میں جنبش ہوئی۔

"اور۔ وہ میرے پیچھے پڑا تھا کہ میں اس سے ملوں۔ اور۔ اور۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگی۔

"اور تم اس سے ملنے گئیں۔" ابراہیم کے دھیمے لہجے میں سوال نہیں، یقین تھا۔

"میں نہیں جانا چاہتی تھی مگر وہ مجھے پریشان کرنے لگا تھا۔ مجھے۔ ڈیرے پر جانا پڑا۔" کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔

"اوہ۔" ڈیرے کا نام سنتے ہی ابراہیم نے دونوں ہاتھ اپنے بالوں میں پھنسائے تھے، کنپٹی کی رگ اٹھی تھی۔

نیلم دھندلائی آنکھوں سے اس کا شدت ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر اسے چھوڑا کیوں؟ یا اس نے تمہیں چھوڑا؟" یہ سوال کرتے ہوئے اس کے لبوں زہریلی مسکراہٹ آئی تھی۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ آنسوؤں پر بند باندھنے کی کوشش کرنے لگی۔ "جب میں اس سے ملنے گئی تو۔ اس نے۔ اس نے۔" حلق میں گولا اٹکنے لگا تھا، اس کے توقف پر ابراہیم اس کے قریب آیا، اور اس کی روح لرز گئی۔

"کیا کیا اس نے؟" اس کے نرم و نازک شانوں میں اپنی آہنی انگلیاں گاڑے وہ اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتا پوچھنے لگا۔

"اس نے میرے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی تھی۔" بتاتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ "میں وہاں سے بھاگی، اس نے میری چادر چھین لی تھی۔"

چادر کے نام پر ابراہیم کے آنکھوں کا رنگ بدلا تھا مگر سر جھکائے کہتی نیلم دیکھ نہیں پائی۔

"میں بھاگ کر سیدھی یہاں آئی، اور اس کے بعد میں نے دوبارہ اس کی شکل نہیں دیکھی۔"

اس کے شانوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے وہ پیچھے ہٹا۔ "میں نے اس دن گاڑی میں تم سے پوچھا تھا کہ تم اس رشتے سے خوش ہو کہ نہیں۔ تم مجھے اس وقت بتا سکتی تھیں؟ ہے نا؟ یا تم نے سوچا ایک بھائی

digest library.com

"ہاتھ سے گیا تو دوسرا مل گیا۔ کیوں؟"

وہ جس تحقیر سے بات کر رہا تھا، یہ کچھ بھی نہیں تھا، نیلم خود کو اس سے زیادہ کی سزاوار سمجھ رہی تھی۔

"مجھے وہ چاہیے بھی نہیں تھا، مجھے اس کے نام تک سے نفرت ہے۔ اور رہی آپ کی بات تو میں انکار کب کرتی، اباجی پہلے ہی رشتہ طے کر چکے تھے، اور یہ انہیں بتانے کے لیے جتنی ہمت چاہیے تھی، وہ مجھ میں نہیں تھی۔"

لہجہ اگرچہ اب بھی گلوگیر تھا مگر باتوں میں روانی آگئی تھی، سب سے بڑی بات تو کہہ ڈالی تھی اس نے، اس خوف سے آزاد ہو گئی تھی۔

"تو اب مجھے بتانے کی یہ ہمت کہاں سے آئی؟" وہ سوال کر رہا تھا۔

"کیونکہ۔" نیلم نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیونکہ وہ مجھے پھر سے دھمکانے لگا ہے۔"

"کیا؟" ابراہیم کی آواز بلند ہوئی۔

"وہ مجھے دھمکی دے رہا ہے کہ میں اس شادی سے انکار کر دوں ورنہ وہ مجھے کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔"

ابراہیم نے ایک گہری سانس لی، ایک ساتھ اتنے جھٹکے وہ جھیل نہیں پا رہا تھا۔ جبکہ وہ بولتی جا رہی تھی۔

"میں نے آج آپ کو یہ سب اس لیے بتایا کہ چاہے آپ یہ شادی توڑ دیں لیکن۔ میں اس خوف کے ساتھ اور نہیں جی سکتی۔" اس نے ہاتھ کی پشت سے چہرہ پونچھا۔ "میں جانتی تھی، یہ شادی نہیں رکی تو وہ آپ کو وہ سب بتائے گا جس میں صرف وہ ٹھیک ہوگا اور میں غلط۔ میں مانتی ہوں، میں بھی غلط ہوں، مجھے اس سے ملنے نہیں جانا چاہیے تھا، مجھے اس سے دور رہنا چاہیے تھا مگر۔ غلطی ہوئی مجھ سے، اور مجھے اچھی سزا مل رہی ہے۔"

"تم اب بھی اس کی کال ریسیو کرتی ہو؟" وہ پیشانی مسلتا ٹہلنے لگا تھا۔

"وہ الگ الگ نمبروں سے کرتا ہے اور کبھی نہ اٹھاتی تو میسج کر کے گھر آنے کی دھمکی دیتا ہے۔" اس نے بتایا۔

ابراہیم اس کے پاس آ کے رکا تھا۔ چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر پلٹ کر بیٹھک سے باہر نکل گیا تھا۔ لمحوں کے توقف سے اس نے باہر کی کنڈی گرنے کی آواز سنی۔

"نیلی۔!" سعدوا آگئی تھی۔

اسے دیکھ کر اس کے رکے ہوئے آنسو پھر سے برس پڑے تھے۔ سعدو ہمدردانہ لمس سے بس اسے تھپکتی رہی۔

وہ گھر آیا تو سیدھا اپنے کمرے میں جانا چاہ رہا تھا مگر اس کے لیے اسے ہال سے گزرنا پڑتا جہاں اس وقت سب نشست جمائے بیٹھے تھے۔ انہیں نظر انداز کر کے گزرنا ممکن نہیں تھا، اور ان کا سامنا کرنے یا ان کے بیچ بیٹھنے کی اس کی حالت نہیں تھی۔ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ چچی اور اماں، اباجی اور چچاجی کی گفتگو میں شریک ہوں، مگر آج وہ بھی موجود تھیں۔ پھر اسے یاد آیا، کل انہیں شادی کی تاریخ لینے جانا تھا۔ شاید اسی پر صلاح مشورہ چل رہا تھا۔

اس نے سوچا، چھت پر جانا ہی بہتر رہے گا۔ مگر سیڑھیوں کی طرف بڑھنے سے پہلے ہی آذر کی آواز اس کی سماعتوں میں پگھلا ہوا سیسہ بن کر اتری۔

"لو آ گئے ہیں دولہا صاحب۔ ان سے بھی تو پوچھ لو۔"

پہلے کی بات اور تھی جب وہ لاعلم تھا مگر اب اسے واضح طور پر آذر کے لہجے کا زہر اور طنز محسوس ہوا تھا۔

"ابراہیم۔!"

باقی بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اماں نے اسے پکارا تو اسے اس طرف آنا ہی پڑا۔

"ادھر آ کر بیٹھ نا۔ ہم تیرا انتظار کر رہے تھے۔"

"ان سے اب ایک دن بھی آپ کی آزادی برداشت نہیں ہو رہی، اسی مہینے بھرجائی کو رخصت کرانے کا پروگرام بنالیا۔" وہ کونے والے صوفے کے ہتھے پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا چہرے پر عجیب سی کسمزائی مسکراہٹ لیے۔

لفظ "بھرجائی" پر ابراہیم کے رگوں کا لہو تیزاب میں ڈھلا۔ ایک لمحے کے لیے اسے محسوس ہوا، وہ اس پر پل پڑے گا۔

"چپ کر نالائق۔ یہ قید تو تجھے بھی چاہیے پر تجھے کوئی نہیں دینے والا۔" چچی نے اسے گھر کا تھا۔

"میرے خیال میں، ان باتوں میں میری موجودگی ضروری نہیں، میں چھت پر جا رہا ہوں ہوا کھانے۔" وہ بولا لہجے پر کافی دقتوں سے قابو پانے کے بعد۔

"آپ باہر سے ہوا ہی تو کھا کر آ رہے ہیں۔" آذر کی ایکسرے کرتی نگاہوں سے اس کے چہرے کی کبیدگی چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

ابراہیم نے اس بار بھی اسے کوئی جواب دینے کی زحمت نہیں کی، بس ایک سرد نگاہ ڈال کر اوپر چلا آیا تھا۔

اسے سوچنے کے لیے وقت درکار تھا۔ ماسی شاداں کے گھر سے نکلنے کے بعد والے چند گھنٹے تو اس سچائی کو ہضم کرنے میں ہی گزر گئے تھے جو وہاں اس کے علم میں آئی تھی۔ اور اب اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

آخری تاریخوں کے چاند کی چاندنی بے حد مدھم تھی، دیوار کے گگر پر ہاتھ جماتے ہوئے اس نے دور اندھیرے میں نظریں جمائیں۔

فطری طور پر اس کے ذہن میں سب سے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ وہ اس شادی سے پیچھے ہٹ جائے۔ وہ کبھی بھی اپنے اندر جھانک کر خود سے اتنا بڑا جھوٹ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسے نیلم سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اسے کبھی محبت نہیں ہوئی تھی مگر نیلم نے جس طرح اس کے دل و دماغ پر قبضہ جمالیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا محبت ایسی ہی ہوتی ہوگی۔ مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ معصوم صورت، گھبرائی شرمائی رہنے والی نیلم اپنی ذات میں اتنا بڑا راز چھپائے ہوئے ہے۔

حالات جو بھی رہے ہوں، وہ اب جو بھی کہہ رہی ہو، حقیقت یہی تھی کہ اس سے غلطی ہوئی تھی۔ محبت اپنی جگہ لیکن ابراہیم اس کی اس غلطی کو سینے سے نہیں لگا سکتا تھا۔

شام تک اس کے ذہن میں یہی خیالات چکراتے رہے۔ وہ جائے گا اور اماں سے کہے گا۔

"ختم کریں یہ ٹنٹا۔ مجھے کوئی شادی نہیں کرنی۔"

مگر اب آذر کو دیکھ کر اس کے خیالات کی رو ایک دم الٹی سمت بہہ نکلی تھی۔

اس نے ہمیشہ آذر کو اپنے سگے بھائی سے بڑھ کے سمجھا تھا۔ ہر ہر مرحلے پر ثابت کیا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی ڈھال بنا رہا جب بھی وہ اپنی کمینی فطرت کی آوارگیوں کے سبب کسی مصیبت میں پھنسا یا اباجی یا چچا جی کے سامنے اس کا دفاع کرنے کی ضرورت آئی۔ مگر آذر نے آج ثابت کر دیا تھا، بدفطرت انسان کسی رشتے کا لحاظ نہیں رکھتا۔ اسے نیلم سے دور رہنا چاہیے تھا، اب جب وہ ابراہیم کی بیوی، اس کی عزت بننے جا رہی تھی۔ یا اگر واقعی اس کا مقصد ابراہیم کی خیر خواہی ہوتی تو خاموشی سے آ کر ابراہیم سے بات کرتا۔ نیلم کو بلیک میل نہ کرتا۔ مگر ابراہیم اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ آذر کا مقصد کیا تھا۔ اس کی نیچ فطرت سے اچھی طرح واقف تھا وہ۔

کافی دیر کی کشمکش کے بعد اس نے سیل فون نکالا، کال لوگ میں اس نمبر نظریں جمائیں مگر اس نے ڈائل کرنے کے بجائے پھر ارادہ بدل لیا، عجیب سی بے قراری تھی جو اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ وہ چھت پر بھی زیادہ دیر نہیں ٹھہرا۔

☆☆☆

"ابراہیم بھائی کی لو سٹوری اچھی چل رہی ہے۔"

سگریٹ کا ایک گہرا کش لگاتے ہوئے پھوپھی زاد علی اکبر نے سرسری سا ذکر چھیڑا۔

پاس بیٹھے آذر کی ساری حسیں جاگ اٹھیں۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی اس کی بیٹھک میں آیا تھا، جہاں اس وقت دو تین اور یار دوست بھی دھواں اڑا رہے تھے۔ ان کے جاتے ہی علی نے یہ بات کی تھی۔

وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے گھورنے لگا۔

"کیا کہا؟"

علی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی بات نے آذر پر کس طرح کا اثر کیا ہے۔

"کچھ نہیں۔ بس اس دن ان کی گاڑی میں ان کی منگیتر کو دیکھا تھا۔ اور مجھے حیرت ہوئی تھی۔ ویسے کوئی اور وجہ ہوگی۔ میں جانتا ہوں، وہ خود بھی پرانے خیالات کے انسان ہیں۔ گاؤں میں ایسے کھلے عام اپنی منگیتر کے ساتھ گل چھرے تھوڑی اڑائیں گے۔" کندھے اچکا کر کہتے ہوئے آخری بات پر وہ شرارتی انداز میں ہنسا۔

آذر نے لب بھینچے۔ "تو نے مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟"

"کیوں۔ تو کیا ان کی گھر میں شکایت لگاتا؟" علی کی نظر اس کے چہرے پر نہیں تھیں جہاں عضلات تن گئے تھے۔ "کہ مجھے آوارہ کہنے سے پہلے اپنے لاڈلے بیٹے کے کرتوت دیکھ لو۔" کہتے ہوئے علی نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا اور ٹھٹک سا گیا۔

"کیا بات ہے؟" وہ غور سے اسے دیکھنے لگا۔

"تو نے یہ کیوں پوچھا؟"

"کیا؟" اس سے نظریں چراتے ہوئے اس نے اپنا موبائل نکالا۔

"کہ میں نے یہ بات تجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟ سچ بتا۔"

"کچھ نہیں بس۔ مجھے بھی پتا چلنا چاہیے، میرا بھائی کیا کرتا پھر رہا ہے۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ نظریں موبائل اسکرین پر اس نمبر پر تھیں

جواب اس کے دماغ میں کھب چکا تھا۔

"پھر ٹھیک ہے۔" علی کے چہرے پر اطمینان جھلکا۔ "تجھ سے تو ویسے بھی ڈر لگتا ہے اب۔"

"کیا مطلب۔ ڈر لگتا ہے؟" اسے اس کی بات تیر کی طرح لگی۔ "خونی قاتل لگتا ہوں تجھے؟"

"خونی قاتل سے ڈر نہیں لگتا۔ ان کا سامنا کرنے کا جگرا ہے مجھ میں۔ تیرا بھروسا نہیں۔ کب کس وقت کیا کر دے اور کس کے ساتھ کر دے۔" علی نے بڑی صاف گوئی سے اسے آئینہ دکھایا تھا۔

پہلے سے اس کی اندر جاری اکھاڑ پچھاڑ کو علی کی اس بات نے انتہا تک پہنچایا تھا، وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا کر رہا ہے؟" اس نے حیران ہو کر سوال کیا۔

"جا رہا ہوں۔ اتنا دماغ نہیں میرا۔ بیٹھ کر تیری یہ بکواس سننے کا۔" زہر خند لہجے میں کہتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

علی کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ آئی۔

"تیرے پاس دماغ تھا ہی کب۔ ٹھیک ہے جا، پر سیدھے گھر جانا، رات کے اس پہر کوئی نیا گل کھلانے مت لگ جانا۔"

علی کے اس طنز کا پس منظر وہ بخوبی سمجھتا تھا تب ہی دماغ کی گرمی کچھ اور بڑھی تھی۔ وہ پلٹ کر کوئی جواب دیے بغیر باہر نکل آیا تھا۔

علی نے اس سے کہا تھا، سیدھے گھر جانا۔ وہ تو ایک طنز کی بات تھی مگر آذر کا حقیقت میں بھی گھر جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ علی کی دی گئی اطلاع، اس پر کی گئی چوٹیں اور کچھ تھوڑی دیر پہلے کے پھونکے گئے سگریٹ نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لی تھی۔

وہ وہاں سے نکلا تو اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔

☆☆☆

وہ کچی پکی نیند میں تھی جب اس نے سرہانے

کے موبائل کی تھرتھراہٹ محسوس کی تھی۔ ایک تو جب سے آذر نے اس کا جینا حرام کیا تھا، وہ موبائل خود سے الگ کرنے سے بھی ڈرنے لگی تھی، اس سوچ سے کہ اگر اس کی کال اماں یا بھابھی میں سے کسی نے ریسیو کرلی تو اس بچھو نما انسان سے کچھ بعید نہیں کہ وہ انہیں بھی کیا کچھ کہہ دے۔

اسکرین پر نظر پڑتے ہی اس کی نیند یک لخت کافور ہوئی تھی۔ اس نے کال ریسیو کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس کی دھمکی نیلم کو یاد تھی۔

"سلام بھرجائی جی۔" اس کی خمار آلود آواز ریسیور میں ابھری اور نیلم کا دل کسی کھائی میں گرتا چلا گیا۔ وہ یقیناً نشے میں تھا۔

"تیرے گھر کے باہر کھڑا ہوں، تیری ایک امانت لیے۔ باہر آکر دیکھے گی نہیں؟"

وہ یہ سنتے ہی جتنی تیزی سے اٹھی، ایک پل کے لیے اس کا سر چکرا گیا۔

"تم۔ تم۔ پاگل تو نہیں ہوگئے..... تم تو نشے میں ہو؟" آذر کی بات نے اس کے جسم کو ٹھنڈے پسینے میں نہلا دیا تھا۔

"بالکل ہوش میں ہوں۔ ورنہ تیرے گھر کے بجائے کسی اور کے گھر کے سامنے کھڑا ہوتا۔ یقین نہیں تو خود آکر دیکھ لے۔"

"میرے ساتھ یہ بکواس مت کرو، میں جانتی ہوں تم مجھے ڈرا رہے ہو۔" اسے یقین بھی نہیں آرہا تھا اور ہاتھوں اور پیروں سے جان بھی نکل گئی تھی۔

اس طرف صرف بیٹھک کی کھڑکی کھلتی تھی۔ ریسیور کان سے لگائے وہ نہایت خاموشی سے اپنے کمرے سے نکلی۔ ماحول پر پرہول سا سکوت طاری تھا، صحن میں چٹکی کمزوری چاندنی، رات کے بوجھل پن میں اور اضافہ کررہی تھی۔ یہ تو اچھا تھا کہ کچھ دنوں سے اماں اور ابا نے بھی اندر سونا شروع کردیا تھا۔ بھائی کے کمرے کا دروازہ بھی بند تھا۔

وہ دبے پاؤں وسیع و عریض صحن عبور کرکے بیٹھک کی سمت آئی۔

تب ہی اس کی آواز ریسیور میں دوبارہ گونجی۔ "جلدی کر، ورنہ میں دروازہ بجانے پر مجبور ہوجاؤں گا۔"

اس گہرے سناٹے کے باعث نیلم کو ریسیور سے چھنتی اس کی آواز اتنی تیز لگی کہ اسے محسوس ہوا کمروں میں موجود اماں، ابا اور بھائی بھابھی کے علاوہ پڑوسیوں نے بھی سن لی ہوگی۔ اس نے بے اختیار موبائل پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستہ سے بیٹھک کا بند دروازہ دھکیلا۔ مگر لائٹ جلانے کی غلطی نہیں کی۔

اندازے سے اس اندھیرے کمرے میں وہ دو پٹ والی کھڑکی کے قریب آئی۔ پٹ ہلکا سا کھول کر جھانکا اور سامنے کھڑے سائے کو دیکھتے ہی اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔

"واپس چلا جا۔ خدا کے لیے واپس چلا جا۔"

وہ ہاتھ میں کچھ لیے کھڑا تھا، اور اس بات کا احساس ہوتے ہی کہ وہ گھٹڑی بنی کوئی چادر تھی، نیلم کا رواں رواں لرز گیا۔

"کیوں۔ اب یقین آیا؟" اس کے لہجے میں عجیب فتح مندی ہنسی تھی۔ وہ اس کی دہشت سے محظوظ ہورہا تھا۔ "کھڑکی کھول اور اپنی امانت لے، میں چلا جاتا ہوں۔" وہ کھڑکی کی طرف پلٹتے ہوئے پاس آنے لگا۔

"نہیں۔ نہیں۔" اس کی آواز بلند ہوئی تھی، دہشت سے وہ کھڑکی سے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ "خدا کے لیے چلا جا۔ کسی نے تجھے دیکھ لیا تو قیامت آجائے گی۔ میرے ساتھ ایسا مت کر۔" وہ منت کرتے ہوئے رونے لگی۔

"تو پھر اس نشانی کا میں کیا کروں گا؟ شادی تو کسی اور سے کرنے جارہی ہے۔ تیرے منگیتر کے حوالے کردوں۔" اس کے دھیمے مگر بھاری لہجے میں کیسی آگ تھی۔

نیلم بے جان ہوتی ٹانگوں سے فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔ "یہاں سے چلا جا آذر۔ تو جیسا کہے گا،

میں ویسا کروں گی۔ بس ابھی یہاں سے جا۔" اس کی آواز سرگوشی میں نکلی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہے؟" اس کی آواز میں واضح تبدیلی آئی۔

"ہاں۔" نیلم کے سینے میں چیخیں دبی تھیں یہ ہاں کہتے ہوئے۔

"کل ڈیرے پر آئے گی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔" اسے بالکل یاد نہیں رہا تھا کہ اگر ابراہیم اپنی بات سے پیچھے نہ ہٹا ہو تو کل گھر مہمانوں والا ہوگا۔

"ٹھیک ہے۔ جا رہا ہوں، مگر تو اپنے وعدے سے مکری تو یہیں تیرے گھر آ کر اپنے اور تیرے گھر والوں کے سامنے تیری نشانی تیرے بھائی کے حوالے کروں گا۔" فون بند کرنے سے پہلے وہ اسے یہ بات باور کرا گیا تھا۔

فون اس کے ہاتھ سے چھوٹا تھا۔ اس نے دونوں مٹھیوں میں اپنے بال جکڑ لیے۔

☆☆☆

اس کی رات اچھی نہیں گزری تھی اور جو حالات تھے لگ رہا تھا، دن بھی ایسا ہی گزرنے والا ہے۔ وہ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی گھر سے نکلا تھا، دن چڑھے گھر آیا اور آتے ہی نہانے گھسا۔

ٹھنڈے پانی کے شاور نے رت جگے سے جلتی آنکھوں اور سلگتے جسم و جاں کو حیرت انگیز تازگی بخشی تھی۔

تولیے سے بال رگڑتے ہوئے اس نے اپنا موبائل چیک کرنے کو اٹھایا۔ تب ہی دروازہ کھلا اور اماں اندر داخل ہوئیں۔

"کہاں نکل گیا تھا تو سویرے سویرے۔ ناشتہ بھی نہیں کیا۔ تیرے ابا انتظار ہی کرتے رہ گئے۔" انہوں نے آتے ہی ناراضی سے دریافت کیا تھا۔ پھر اس کی سرخ ہوئی آنکھوں پر نظر پڑی اور چونک گئیں۔

"تیری طبیعت تو ٹھیک ہے ابراہیم؟"

"ہاں۔!" اس نے نظریں چرائیں۔ "مجھے کیا ہونا۔"

"تو کل رات بھی آ کر نہیں بیٹھا سب کے ساتھ۔ اور اب چہرہ دیکھ اپنا۔" وہ تشویش سے کہتے ہوئے اس کا چہرہ چھونا چاہ رہی تھیں۔ مگر ابراہیم غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹا۔

"تھوڑی تھکن زیادہ ہو گئی تھی کل رات۔ اور پھر نیند بھی ٹھیک سے نہیں آئی۔ مگر اب ٹھیک ہوں۔" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہتے ہوئے ان کی تسلی کرانی چاہی۔

پتا نہیں وہ مطمئن ہوئیں یا نہیں مگر ان کے چہرے پر کچھ ایسا ضرور تھا جس نے ابراہیم کو ٹھٹکا دیا۔ جیسے وہ کچھ کہنے اور نہ کہنے کی کشمکش میں ہوں۔

"کیا ہوا اماں؟ کوئی بات ہے؟"

"ہاں ہے تو۔ تو بیٹھ ادھر۔" انہوں نے اسے بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ الجھتے ہوئے بیٹھا۔ وہ اس کے برابر بیٹھ گئیں۔

"اب جب تیرے بیاہ کا دن رکھنے جا رہے ہیں، بلقیس کے دل میں بھی بہو لانے کی ہڑک جاگی ہے۔" انہوں نے بتایا اور اس کے چہرے پر بے ساختہ طنزیہ مسکراہٹ آئی۔

"تو کس کی زندگی سے کھیلنے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہیں چچی۔" اس نے جس انداز میں کہا۔ اماں خاموش ہو کر اس کا چہرہ تکنے لگیں۔

"کیا انہوں نے آپ کو کہہ دیا ہے لڑکی دیکھنے کے لیے؟" ان کے ری ایکشن سے وہ یہی سمجھا۔

"دیکھ میری بات آرام سے سن۔ وہ چاہتی ہے میں اس کے ساتھ طیبہ کے ہاں جاؤں فاطمہ کا ہاتھ مانگنے۔" انہوں نے جلدی سے ایک سانس میں ہی یہ بات کہہ ڈالی۔

"کیا۔" ابراہیم کی آواز بلند ہوئی۔ وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

اسی بات کا تو انہیں ڈر تھا۔

"چچی نے آپ سے یہ کہا اور آپ آ کر مجھے بتا رہی ہیں مطلب آپ مان چکی ہیں؟" وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا کرتی، تو ہی بتا۔ تیرے ابا جی کے آگے میری ایک نہ چلی ورنہ میں تو تیری بات چلانے والی تھی۔ کتنا ارمان تھا میرا فاطمہ کو بہو بنانے کا۔"

اماں ایک دم سے پھٹ پڑیں۔ یہ بات وہ نہ جانے کتنی عرصے سے دل میں دبائے ہوئے تھیں۔

"کیسا سر جھکا تھا میرا طیبہ کو تیرے رشتے کا بتاتے ہوئے۔ اس کی گلہ کرتی نظریں آج تک نہیں بھولی ہیں۔ اب اگر فاطمہ کی اس گھر میں آنے کی راہ بن رہی ہے تو میں بیچ میں نہیں آؤں گی۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں کہتے ہوئے ہاتھ اٹھا لیے۔

ابراہیم نے ضبط اور بے بسی سے سرخ ہوتے چہرے پر ہاتھ پھیرے۔ "آپ آذر کو جانتی ہیں اماں۔ یہ فاطمہ کے لیے آپ کا پیار ہے یا دشمنی؟" اس کے دھیمے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔ اسے کم از کم اماں سے یہ امید نہیں تھی۔

"تو بس رہنے دے۔ کوئی ڈکیت لٹیرا نہیں ہے، کچھ بگڑی اولادوں والے شوق ہیں۔ ٹھیک ہو جائے گا ایک بار شادی ہوگی تو۔" بیزاری سے کہتے ہوئے وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے لگیں۔

"رکیں۔ بات سنیں۔" اس نے انہیں روکا۔

وہ ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگیں۔ "میں بلقیس کو انکار نہیں کرنے والی۔ طیبہ کی طیبہ جانے۔ میں ساتھ جانے سے انکار کر کے بلقیس کی نظر میں بری نہیں بنوں گی۔" انہوں نے اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی خبردار کر دیا۔

"آپ جانتی ہیں۔ اس دن جب اکرام ماموں کے فون پر مجھے اور چچا جی کو اچانک وہاں جانا پڑا تھا، تب وہاں کیا ہوا تھا؟" اس نے ایک انتہائی گہری متعلق بات کی اور اماں کے چہرے پر الجھن بھرے تاثرات ابھر آئے۔

"نہیں۔ تم لوگوں نے کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔"

"ہاں۔ کیونکہ چچا جی نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اس معاملے میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔" اس نے بتایا۔

"ایسی کیا بات تھی؟" متجسس نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ان کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی۔

"آذر بھی وہیں تھا۔ اور ایک رات پہلے ہی متین اور دوسرے لڑکوں سے شرط لگا کے آدھی رات کو وہاں پٹواری کے گھر میں کودا تھا جس کی ایک جوان جہان بیٹی تھی۔ قسمت اچھی ہوتی تو بچ جاتا مگر عین موقعے پر پکڑا گیا۔"

"ہائے وے میرے یارا۔" اماں کے منہ سے تحیر زدہ آواز نکلی تھی۔

"وہ تو اس کی جان لے لیتے مگر اپنے ماموں کی وجہ سے بچ گیا۔ ہم وہاں پہنچے تو اس کا حلیہ بگڑ چکا تھا مار کھا کھا کے۔ پھر ماموں اور چچا جی نے نجانے کتنی منتیں ترلے کر کے انہیں تھانے کچہری جانے سے باز رکھا اور معاملہ رفع دفع کیا۔" اس نے کہتے ہوئے ذرا توقف کر کے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ بالکل گم صم ہو چکی تھیں۔

"وہ ڈکیت، لٹیرا ہوتا تو بھی ٹھیک تھا اماں! مگر وہ شیطان بن چکا ہے۔ اس سے نہ اپنے گاؤں کی لڑکیاں محفوظ ہیں نہ دوسرے گاؤں کی۔ اگر فاطمہ کی بھلائی چاہتی ہیں تو اسے آذر کے سائے سے بھی دور رکھیں۔ یہ آپ کا اپنی بھانجی پر سب سے بڑا احسان ہوگا۔" وہ اپنی بات کہہ کر اٹھا تھا۔

اپنا موبائل لیا اور اماں کو یونہی حیران و پریشان کسی ردعمل کا موقع دیے بغیر وہاں سے نکل آیا تھا۔

☆☆☆

اس کے کپڑے بھابھی نے نکالے یہ کہتے ہوئے۔ "چل میک اپ کر کے اچھے سے تیار ہونا۔ اور سن وہ سیٹ بھی پہن لینا جو کل سنار کے ہاں سے آیا ہے۔ ایک بار پہننے سے کچھ نہیں ہوتا۔ سعدو بھی ابھی تک نہیں آئی ورنہ تیرا میک اپ ہی کر دیتی۔"

خاموش بیٹھی ناخن کترتی نیلم وحشت و

اضطراب میں ایسے ڈوبی تھی کہ دھیان بھی نہیں دیا، بھابھی نے کیا کہا ورنہ کہتی ضرور۔ "سعدو سے اچھا میک اپ تو میں خود کر لیتی ہوں۔"

ویسے اچھا تھا یہ بھی کہ ڈھیروں ڈھیر کاموں کے سبب بھابھی کو بھی اس پر دھیان دینے کی فرصت نہیں تھی۔ حالانکہ آج اس کا ستا ہوا چہرہ اور آنکھوں میں بکھرے گلابی ڈورے چیخ چیخ کر اس کے اندر جاری جنگ کا اعلان کر رہے تھے۔

بھابھی کے جاتے ہی اس نے اٹھ کر ہینگر میں لگا وہ لباس اٹھایا۔ سنہرے تاروں سے سجا یہ سبز رنگ اسے زیادہ بھایا نہیں مگر اس نے اسے بدلنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا فرق پڑتا تھا۔ کون سا مبارک دن تھا جو وہ اپنے لباس کے رنگ پر توجہ دیتی جبکہ توجہ دینے کے لیے اس سے بھیانک مسئلے موجود تھے۔

نہا کر نکلنے کے بعد اس نے بھابھی کا بتایا گیا کندن کا وہ ہلکا سا سیٹ پہنا، جھمکے کانوں میں ڈالے۔ سیدھی مانگ نکال کر بال کھلے چھوڑ دیے۔

اور جب وہ عائب دماغی کے عالم میں اپنے عکس پر نظریں جمائے یہ سوچ رہی تھی کہ کیا کمی رہ گئی۔ تب ہی دروازہ کھلا اور سعدو اندر داخل ہوئی۔

"سعدو۔" بے تابی سے کہتے ہوئے اس نے مڑ کر دیکھا۔

"ہائے اللہ جی۔ کتنی سوہنی لگ رہی ہے۔" سعدو کی آنکھوں میں اسے دیکھتے ہی ستائش کی چمک ابھری۔

"تو نے آنے میں اتنی دیر کیوں لگا دی۔" اس کے چہرے کا رنگ بدلا اس بات پر۔

"دیر کہاں، تیرے سسرال والے تو ابھی تک نہیں آئے۔" بظاہر ہنس کر کہتی وہ کچھ بے چین لگ رہی تھی۔ "دیکھ۔ ابراہیم نے انہیں آنے سے نہیں روکا۔" وہ پلنگ کے پائنتی بیٹھی۔

"ہاں۔" اچانک امڈ آنے والے آنسوؤں پر بند باندھتی وہ بے دلی سے کانچ کی چوڑیاں اٹھا کر کلائی میں ڈالنے لگی۔ "میری جان اور عذاب میں ڈال دی۔ اس نے انکار کیوں نہیں کیا سعدو۔" اس کا لہجہ گلوگیر ہوا تھا۔

"سن۔ مجھے آنا تو نہیں تھا پر تجھ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔" اس کی بات خاطر انداز کر کے سعدو نے سنگین لہجے میں کہا۔

نیلم چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "کیا بات؟"

"تو پہلے یہ بتا۔ تیرا موبائل بند ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"موبائل؟" الجھ کر دہراتے ہوئے اس نے موبائل کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ اسے یاد تو نہیں تھا مگر کل رات شاید وحشت میں اس نے آف ہی کر دیا تھا۔

اٹھ کر اپنا بستر ٹٹولتے ہوئے اس نے جب تکیہ اٹھایا تو وہ اس کے نیچے تھا اور آف تھا۔

"آج سویرے ہی ابراہیم میرے دروازے پر آیا تھا۔" سعدو نے انکشاف کیا۔

"کیا؟" وہ اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گئی۔ گرفت غیر ارادی طور پر موبائل پر سخت ہوئی تھی۔

"اس نے کہا، اس نے تجھے فون کرنے کی کوشش کی مگر نہیں لگا، اس لیے اسے میرے گھر آنا پڑا۔ وہ تو شکر ہے۔ اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، وہ آج جلدی نہیں اٹھی۔"

"اس نے کیا کہا؟" وہ بے تابی سے اس کی بات کاٹ کر اس کے قریب بیٹھی۔

"اس نے کہا، نیلم سے کہہ۔ اب اگر آذر فون کرے، دھمکائے یا کچھ بھی کرے تو تو فوراً اسے بتانا ہے۔ کیا اس کا فون آیا تھا دوبارہ؟" بتاتے ہوئے نیلم کے سرخ پڑتے چہرے نے ہی سعدو کو اس کا جواب دے دیا۔

"او۔ سعدو۔" اس کی آنکھیں لبالب بھر آئی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ یہ رونا خوف کا نہیں شکر گزاری کا تھا۔ دل پہ دھری بھاری سل سعدو کی اس ایک بات سے گویا روئی کے

ے میں بدل گئی تھی۔ اسے احساس ہوا اس نے ابراہیم کو بتا کر کوئی غلطی نہیں کی تھی۔

"بتانا ناں۔" سعدو نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس کی روئی روئی آنکھوں میں دیکھا۔

"بتاتی ہوں، پہلے مجھے ابراہیم کو فون کرنے دے۔ یہ بہت ضروری ہے۔" اس نے ایک ہاتھ سے چہرہ پونچھتے ہوئے سیل آن کیا۔

تھوڑی دیر میں ابراہیم کے نمبر پر بیل جا رہی تھی۔ وہ مضطرب سی ہونٹ کاٹتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہیلو۔ نیلم۔" دوسری ہی بیل پر جس طرح ابراہیم کی بھاری بے تاب آواز دوسری طرف اسے لگا جیسے وہ اس کے فون کا ہی انتظار کر رہا ہو۔

نیلم کے دل سے ہوک سی اٹھی یوں اس کے منہ سے اپنا نام سن کر۔ اس کا ضبط چھوٹنے لگا تھا۔ اس پر ابراہیم کا اگلا سوال۔

"سب ٹھیک ہے؟" وہ اس وقت ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کی کال پر اسے گاڑی سڑک کے کنارے لگانی پڑی تھی۔

"نہیں۔ نہیں۔ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ لرزتے لہجے میں گویا ہوئی۔ "وہ کل رات یہاں آیا تھا۔ یہاں میرے گھر۔"

"کیا؟" وہ چلا اٹھا۔ "اس کی ہمت اتنی بڑھ گئی۔"

"اس نے کہا، میں دروازہ کھولوں۔ اس کے پاس میری چادر تھی ابراہیم۔ اس کے پاس۔" کل رات والا سارا منظر یاد کر کے وہ پھر سے ہسٹریائی ہونے لگی۔

"اس نے کہا اگر میں نے اس کی بات نہیں مانی تو وہ گھر آ جائے گا آج سب کے سامنے۔"

"نیلم۔ میری بات سنو۔" وہ اس کی بات کے بیچ میں بول اٹھا۔ مگر وہ سن ہی کہاں رہی تھی۔

"وہ بھائی سے بات کرے گا، وہ سب کے سامنے پتا نہیں کیا کیا بکے گا۔ وہ۔ وہ۔"

"نیلم۔!" اس بار وہ دھاڑا اور نیلم کی زبان کو بریک لگا۔

"وہ کچھ نہیں کرے گا، سن رہی ہو؟ وہ صرف تمہیں دھمکا رہا ہے۔" دماغ میں پھوٹتی بجلیوں کے باوجود اسے سمجھانے کے لیے ابراہیم نے لہجہ کافی حد تک ہموار کیا۔

"آپ نہیں جانتے۔ وہ آدمی رات کو آ سکتا ہے تو دن میں بھی آ سکتا ہے۔ اس کے پاس وہ چادر ہے جو بھائی نے مجھے لا کر دی تھی، اگر اس نے۔" وہ رونے لگی۔

"نیلم۔ نیلم۔" فون کے اس پار وہ کا بے بسی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔

"اس کے پاس تمہاری کوئی چادر نہیں۔ سمجھیں؟"

"کیا؟" وہ ایک دم رونا بھول گئی۔ سعدو اٹھ کر اس کے قریب آئی تھی۔

"آپ کو کیسے پتا؟""

"تم مجھے بتاؤ۔ تمہیں مجھ پر یقین ہے کہ نہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ ہے۔" اس کا لہجہ بھرایا۔ وہ کیا کہتی، اس وقت ایک وہی تھا جس پر اسے خود سے زیادہ یقین تھا۔

"تو میرا یقین کرو۔ تم اب اسے کوئی جواب نہیں دو گی، نہ ملنے جاؤ گی۔ آج کے دن کے لیے اپنا موبائل بند کر دو۔ ٹھیک ہے؟" وہ تائید چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے قدرے توقف سے ہامی بھری۔

"وہ نہیں آئے گا، یہ ڈر دل سے نکال دو اور خدا کے لیے کوئی بے وقوفی مت کر بیٹھنا۔ اس سے میں خود نمٹوں گا اب۔" ابراہیم کے لہجے میں بتدریج نرمی اتر آئی تھی۔

جانے کیوں نیلم کو اس میں اپنے لیے فکر بھی محسوس ہوئی، اس کا دل جیسے کسی شکنجے سے آزاد ہوا تھا۔

"فون رکھتا ہوں۔" اس نے کہا تھا۔
گم صم کھڑی وہ ٹوں ٹوں کی آواز پر ہوش میں آئی تھی۔

☆☆☆

آج کا دن اس کے لیے اتنا خاص تھا کہ وہ جو دن چڑھے تک سونے کا عادی تھا، آج سویرے سویرے ہی اٹھ کر نیچے چلا آیا تھا۔
اماں نے اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا، تائی ماں بھی چونکیں۔
"تیرے بیاہ کا دن رکھنے نہیں جارہے جو نیند اڑ گئی تیری۔" انہوں نے تو اسے چھیڑا بھی۔
"میرا کیا۔ جس کا رکھنے جارہے ہیں، اس کا بیاہ بھی نہیں ہو پائے گا۔" وہ دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے بس ان کی تیاریاں دیکھتا رہا۔
ان کے جانے کے بعد اس نے بہت آرام سے ناشتہ کیا۔ پھر تیار ہو کر ڈھیر ساری خوشبوئیں خود پر انڈیل کے ڈیرے کے لیے نکل آیا تھا۔
منظور اسے دیکھ کر چونکا۔ "کوئی کام تھا باؤ۔" وہ لپک کر اس کی سمت آیا۔
"تو نے میرا کام نہیں کیا نا؟" اس پر نظر پڑتے ہی آذر کو اپنی ناکامی یاد آئی اور لہجے میں ناراضی اتر آئی۔
منظور کے چہرے کا رنگ بدلا۔ "میں نے ایک ایک کونہ چھان مارا جی۔ پر جیسی چادر آپ نے کہی تھی، وہ کہیں نہیں ملی۔"
"تو کیا دوسری لی؟" اس کی بات نے اسے چونکایا۔
"نہیں جی۔" اس نے جھٹ نفی میں سر ہلایا۔
"گھاٹ کہیں کا۔" بیزاری سے زیر لب بڑبڑاتا وہ کمرے کی طرف بڑھا۔ "میرے دوست آنے والے کچھ دیر میں۔ ان ہی کی راہ دیکھ رہا ہوں۔"
"اچھا جی۔" منظور کی کیا اوقات تھی جو اس کی بے وقت آمد پر اعتراض کرتا۔ صرف تابعداری سے سر ہی ہلا پایا۔
یہ سچ تھا کہ اس کے ہاتھ میں ابھی ترپ کا پتا نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ کل رات نیلم کو جتنا دہشت زدہ کر چکا تھا، اسے یقین تھا کہ اگر اسے انگاروں پر بھی چل کر آنا پڑا تو بھی وہ ضرور آئے گی پھر چاہے اس کے سسرال والے اس کی شادی کی تاریخ گننے آئے ہوں۔ اور ایک بار نیلم اس کے ہاتھ آجاتی پھر اسے اور کیا چاہیے تھا۔
صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے اسے نشے کی شدید طلب ہو رہی تھی مگر ابھی اسے خود کو کنٹرول میں رکھنا تھا۔ اس کا زرخیز ذہن ابھی سے آنے والے وقت اور حالات کی منظر کشی میں مصروف تھا۔ تقریباً دس پندرہ منٹ بعد جب وہ دوبارہ نیلم کو ایک یاددہانی کا میسج کرنے کا سوچ رہا تھا۔ باہر سے ملی جلی آوازیں ابھریں۔
"اس وقت کون آ گیا۔!" اسے شدید کوفت ہوئی۔ وہ تو منظور کو بھی منظر سے ہٹانے کا سوچ رہا تھا۔
جھنجلا کر دروازے کی طرف آیا اور ٹھٹک کر رہ گیا۔
ابراہیم دو بندوں سمیت جانے کہاں سے آ ٹپکا تھا، اس کے رنگ میں بھنگ ڈالنے۔
وہ اتنی الجھن میں تھا کہ ان مہمانوں کے سلام کا جواب بھی بس سر ہلا کر دے پایا۔ ابراہیم انہیں مہمانوں والے کمرے میں لے گیا تھا۔
چند لمحوں بعد ہی باہر آ کر منظور کو چائے پانی کا بندوبست کرنے کا کہہ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔
"کیا بات ہے۔ تیری شکل پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں۔ کیا تیرا کوئی پروگرام خراب کر دیا؟" ابراہیم کے لہجے میں ہلکا سا طنز تو تھا مگر اس کی آنکھیں۔ آذر کو اپنے اندر اترتی محسوس ہوئیں۔
"میرے۔ دوست آنے والے تھے۔" وہ جواب دیتے ہوئے گڑبڑا سا گیا۔
"انہیں کہیں اور لے جاؤ۔ چرس کے سوٹے

...نے کے لیے ادھر کی فضا خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ کھردرے لہجے میں کہہ کر واپس اندر چلا گیا تھا۔

غصے کی شدت سے اسے اپنے کانوں کی لویں سلگتی محسوس ہوئیں۔ اس ابراہیم کی یہی اکڑ تو اس کے تن من میں آگ لگا دیتی تھی۔ پتا نہیں وہ خود کو سمجھتا کیا تھا۔ ایک پل کے لیے اس کا دل واقعی چاہا کہ وہ یہاں سے نکل جائے۔ ابراہیم کی اچانک آمد اس کے پلان کا حصہ نہیں تھی۔ مگر پھر اچانک ہی ایک نیا اور اچھوتا خیال دماغ میں آیا۔

کیا ہو اگر ابراہیم کی منگیتر، ابراہیم اور اس کے دوستوں کی موجودگی میں اس کے بھائی سے ملنے ڈیرے تک چلی آئے۔"

یہ ایک ایسا خیال تھا کہ آذر اندر ہی اندر قہقہے لگانے پر مجبور ہو گیا۔ "ایک ... اچھا جان۔ تیری یہ اکڑ میں نے اپنے جوتے تلے نہ مسلی تو میرا نام بھی آذر ملک نہیں۔"

☆☆☆

دوپہر ڈھلنے کو تھی۔ اماں اور بھابھی دو گھنٹے پہلے خریداری کے لیے نکلی ابھی تک نہیں لوٹی تھیں۔ وہ پچھلی بار کی طرح اس بار بھی نہ جانے کے کئی بہانے سوچے بیٹھی تھی۔ اماں کو اس نے زبردستی بھیجا ورنہ ان کا خیال تھا، بھابھی کو بھائی لے جائیں گے۔

"چھوڑیں نا اماں! خریداری میں کتنا وقت لگتا ہے، اور بھائی کا پتا تو ہے آپ کو۔ چلے بھی جائیں تو آنے کی جلدی مچائیں گے۔ اس سے بہتر ہے آپ ساتھ چلی جائیں۔ ویسے بھی بھابھی کو کہاں آتا ہے، بھاؤ تاؤ کرنا۔"

اس ساری بات میں آخری بات اماں کے جی کو لگی تھی لہٰذا وہ مزید اعتراض نہ کر پائیں۔

وراب گھر پر چھائے پرہول سکوت نے اس کا جی ہولایا تو کمرے سے نکل کر صحن میں چلی آئی۔

جلے پیر کی بلی کی طرح صحن میں ٹہلتے ہوئے اس کی نظریں اپنے موبائل کی اسکرین پر تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ نمبر چمکنے لگا اور اس کی دھڑکنوں میں اودھم مچا۔

وہ بھاگ کر واپس کمرے کی طرف آئی تھی اور دروازہ بھیڑ دیا۔

آج اس نے پہلی بار بنا ڈرے وہ کال ریسیو کی۔

"ہاں آ جاؤں پکا؟ پھنسا تو نہیں دے گی مجھے؟" اس کی آواز سنتے ہی وہ پوچھنے لگا تھا سنسنی خیز لہجے میں۔

"نہیں آنا تو تیری مرضی۔ پر میں ڈیرے پر نہیں آنے والی۔ چاہے تو اپنے بھائی کو بتا دے یا میرے بھائی کو۔ مجھے پرواہ نہیں۔" اس کا لہجہ بے لچک تھا۔ وہ خوف کی سرحد سے آگے نکل آئی تھی۔

دوسری طرف لمحے بھر کی خاموشی چھائی۔

"آنا ہے تو جلدی آنا ہوگا ورنہ پھنس سکتے ہو، وہ کسی بھی وقت واپس آ جائیں گے۔" اس کی خاموشی پر وہ پھر سے گویا ہوئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔" اس کی الجھن زدہ آواز ابھری۔ "تو ڈیرے پر آنے سے ڈر رہی ہے مگر مجھے گھر بلانے سے نہیں ڈر رہی۔ اس رات تو تیرے توتے اڑ گئے تھے مجھے اپنے دروازے پر دیکھ کر۔"

"وہ رات تھی، یہ دن ہے۔ اس وقت سب گھر پر تھے اور اب کوئی نہیں۔ مجھے اپنی چادر واپس چاہیے آذر۔ اگر تجھے یہاں آتے ہوئے ڈر لگتا ہے تو اسے کسی اور طریقے سے بھیج دے۔"

اگرچہ ابراہیم نے اس سے کہا تھا کہ آذر کے پاس اس کی کوئی چادر نہیں، اس کا مقصد اسے اتنا خوف زدہ کرنا ہے کہ وہ اس سے ملنے چلی جائے۔ مگر پھر بھی۔ نیلم کے دل میں جو خوف بیٹھ گیا تھا، وہ تب ہی جاتا جب اسے اس بات کا ثبوت ملتا۔

"کس طریقے سے؟" وہ چونکا۔

"سعدو کو دے دے۔" وہ بولی۔

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔" اس کی بات ختم ہوتے ہی وہ تیزی سے بول اٹھا۔ "یہ تو نہیں ہوگا،

digestlibrary.com

آخری بار تو تجھ سے ملنا بنتا ہی ہے۔"

نیلم کو اس کا لہجہ مسکراتا لگا، اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔

"یہ آخری بار کا لفظ نہیں ہوگا، اس کے بعد بھی میں تجھے اپنے گھر میں نظر آتی رہوں گی۔" وہ جانتی تھی، اسے نظر آئے نہ آئے مگر اس کی یہ چوٹ آذر کا دماغ اڑانے کے لیے کافی ہوگی اور ہوا بھی وہی۔

لمحاتی توقف کے بعد اس کی سپاٹ آواز ابھری۔ "میں آرہا ہوں۔"

کال کٹنے کے بعد نیلم نے عجیب سی مسکراہٹ لیے اسکرین کو دیکھا۔ بس کچھ ہی دیر میں وہ یہاں ہوتا۔

اس دن ابراہیم کی تاکید کے عین مطابق اس نے موبائل آف کیا تھا اور اپنی تمام تر توجہ اپنے سسرالیوں پر مرکوز کی تھی، حالانکہ تب بھی اس کی بے قراری سوا نیزے پر تھی، وہ ہر ہر آہٹ پر چونک رہی تھی۔ ہر بار دروازہ کھلنے پر اسے یہی محسوس ہوتا کہ اب آذر آدھمکے گا۔ اس کے گھر والوں کے سامنے، ابراہیم کے گھر والوں کے سامنے اس کی ذات، اس کے کردار کے پرخچے بکھیرے گا۔ پھر بھی ابراہیم کی، کی گئی ہدایت کا اثر اتنا زیادہ تھا کہ اس نے ایک بار بھی فون آن کر کے آذر سے بات کرنے یا اس کی منت کرنے کا نہیں سوچا۔

اس نے رات کو ہی اپنا فون آن کیا تھا۔ آذر کے فون آنے شروع ہو گئے۔ وہ بھرا بیٹھا تھا۔ کیا کیا بکواس نہ کی اس نے، کیا کیا زہر نہ اگلا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی تھی اور جب وہ اپنی بھڑاس نکال چکا تو نیلم نے ایسی بات کی کہ وہ سناٹے میں آ گیا۔

"میں تجھ سے ملنے باہر کہیں نہیں آؤں گی نہ اب نہ آئندہ کبھی۔ تجھے ملنا ہے تو یہاں آنا ہوگا۔"

"کیا کہہ رہی ہے؟؟" کافی دیر بعد اس کی بے یقین آواز آئی تھی۔

"مجھے میری چادر دینے کے لیے یہاں آنا ہوگا۔ کل بھابھی شہر کے بازار جائیں گی، میں اماں کو بھی ساتھ کر دوں گی۔ تو تب آ سکتا ہے۔ میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے میرا گھر سے نکلنا اب ویسے بھی مشکل ہے۔ تو سوچ لے۔ تجھے کیا کرنا ہے۔"

اس نے گیند اس کے کورٹ میں ڈال کر فون بند کر دیا۔

اسے یقین تھا، وہ آج پوری رات سوچے گا اور کل آنے کے لیے تیار ہوگا۔ وہ چاہتی تو اسے بتا سکتی تھی کہ وہ ابراہیم کو سچائی بتا چکی ہے۔ وہ سب جانتا ہے۔ اب کم از کم اسے ابراہیم کی طرف سے کوئی خوف نہیں۔ اس کی نظروں میں جتنا گرنا تھا، گر چکی۔

اب اس کے گھر والوں کی باری تھی، چاہے وہ اس کے اپنے تھے، وقتی طور پر غصہ کرتے، نفرت کرتے مگر اسے خود سے کاٹ کر پھینک نہیں سکتے تھے۔ پھر بھی۔ وہ آذر کے ساتھ یہ سلسلہ آر یا پار کرنا چاہتی تھی۔

ابراہیم چاہے اس شادی سے پیچھے نہ ہٹا ہو مگر نیلم جانتی تھی کہ وہ اب ذہنی اور دلی طور پر اس سے ہزاروں میل دور جا چکا تھا۔ اور یہ فاصلہ اس صورت میں کبھی کم نہ ہوتا اگر آذر ان کے بیچ موجود رہتا ایک بلیک میلر کی صورت میں ہی سہی۔

اسی لیے اس نے یہ جوا کھیلنے کا فیصلہ کیا تھا، جس میں اس کی جیت آذر جیسے عفریت کے شکنجے سے رہائی تھی۔

☆☆☆

وہ اپنے ایک دوست سے ملنے ساتھ والے گاؤں گیا تھا۔ سہ پہر ڈھلے گھر پہنچا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی اس کا پہلا ٹاکرا چہرے پر حد درجہ سراسیمگی لیے چچا جی اور ان کے پیچھے آتے غصے سے سرخ ہوتے چہرے والے ابا جی سے ہوا تھا۔

پیچھے چچی منہ پر دوپٹہ ڈالے سسک رہی تھیں اور اماں بدحواس سی کھڑی تھیں۔

وہ شاید کہیں جانے کی جلدی میں تھے۔ یہ سارا منظر نامہ ہی کچھ ایسا تھا کہ ابراہیم کے ذہن میں سیکنڈ

کے ہزارویں حصے میں لاکھوں خیالات آ کر گزر گئے۔

"کیا ہوا ہے۔ کہاں جا رہے ہیں آپ لوگ؟" وہ اتنا سٹپٹایا کہ اسے سوال کے لیے مناسب الفاظ تک نہ سوجھے۔

"جس کا ایسا بدبخت، نامراد بیٹا ہو، وہ اور کہاں جائے گا۔ جا رہا ہوں اپنے سر میں خاک ڈالنے۔" چچا جی بھرائے لہجے میں چلاتے باہر کو نکلے تھے۔ اور ابا جی ان کے پیچھے۔

وہ بھی تیزی سے ان کے پیچھے لپکا، دل تھا کہ کسی پتنگے کی طرح پھڑ پھڑانے لگا تھا۔

"ابا جی۔ بات کیا ہوئی ہے؟" وہ تقریباً دوڑ کر ان کے برابر ہوا۔

"وہ کم ذات ہمارے سمدھیانے میں نقب لگانے گیا تھا، ہماری عزت۔ رمیز نے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے اسے۔" وہ راستے میں نکل آئے تھے، دھیمے لہجے میں کہنے کے باوجود ابا جی کی آواز غصے سے پھٹ گئی۔

"او خدایا۔" اس خبر نے جیسے اس کے دماغ کا فیوز ہی اڑا دیا تھا۔ اس کے قدم خود بخود سست ہوئے۔

کتنے یقین سے اس نے نیلم کے سامنے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتا سوائے دھمکانے کے۔ اس نے یہ کیا کر دیا تھا۔

شام کے دھندلکے میں اس کی خالی نظریں لمحہ بہ لمحہ دور ہوتے ابا جی اور چچا جی کے قدموں پر تھیں۔ اس وقت اسے یہ سب اپنا قصور لگ رہا تھا، جو شاید تھا بھی مگر یہ وقت سوگ میں ڈوبے رہنے کا نہیں تھا، اس خیال کے آتے ہی اس کے قدم تیزی سے ان کی سمت بڑھے تھے۔

انہیں وہاں پہنچنے میں پانچ منٹ بھی نہیں لگے تھے۔

غیض و غضب سے پھنکارتے رمیز اور اسے قابو کرنے کی کوشش کرتے چچا جواد کو دیکھ کر ان کی رہی سہی ہمت نے بھی کہیں منہ چھپا لیا۔

"میں گولی اس کے آر پار کر دیتا خدا کی قسم۔ اسے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتا آپ کی حویلی لاتا۔"

ساکت کھڑے ابراہیم نے چچا جی کو اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے دیکھا۔

"کہاں ہے وہ بدبخت؟" ابا جی نے پوچھا تھا۔

"آئیں میرے ساتھ۔" چچا جواد کا ضبط کمال کا تھا۔ "ابراہیم! رمیز کو اندر مت آنے دینا۔" وہ اسے ہدایت کرتے چچا جی اور ابا جی کو رہائشی حصے کے کونے والے کمرے کی طرف لے گئے۔

عقل مندی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ غیر موجود ہونے کے باوجود ابراہیم تصور کر سکتا تھا کہ جب آذر گھر میں داخل ہوا ہوگا اور رمیز نے اسے پکڑا ہوگا تو کیا سماں رہا ہوگا۔ یقیناً اس وقت بھی جواد چچا نے ہی اسے سنگین قدم اٹھانے سے روکا ہوگا، ورنہ اب تک پورا گاؤں امڈ پڑتا۔

"رمیز۔!" وہ اس کے قریب گیا۔ اس کا سرخ چہرہ اور آگ اگلتی آنکھیں اس کے اندر بپھرتے لاوے کا پتا دے رہی تھیں۔

"تو جانتا ہے ابراہیم۔ یہ آدمی۔ یہ۔ یہ نیچ آدمی کب سے میری بہن کو تنگ کر رہا تھا؟" اس کی سمت دیکھتے ہوئے اس کی دھیمی آواز کانپ رہی تھی۔

ابراہیم اس بات پہ چونکا مگر اپنے تاثرات سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"وہ ڈرتی رہی مجھے بتانے سے۔ یہ رشتہ ہونے کے بعد تو اور بھی زیادہ۔ کاش وہ مجھے وقت پہ بتا دیتی۔ کاش۔" وہ قہر و ضبط سے مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

ابراہیم کی نظریں اس دروازے کی طرف تھیں جو اب کھل گیا تھا، وہ رمیز کا کندھا تھپتھپا کر سرعت سے اس طرف گیا۔ چچا کی تاکید دروازہ کھلتے ہی اس کے ذہن سے اڑن چھو ہو گئی تھی۔

"رمیز اسے گھسیٹتا ہوا حویلی لانا چاہتا تھا، لیکن

مجھے مناسب یہی لگا کہ آپ لوگوں کو یہاں بلایا جائے۔ میں پورے گاؤں کے سامنے اپنی عزت کا تماشا نہیں لگا سکتا تھا۔" جواد چچا کے شاکی لہجے میں بے بسی تھی اور انتہا کا دکھ۔

دروازہ کھلتے ہی وہ جو سامنے کی چارپائی پر سر جھکائے بیٹھا تھا، سر اٹھا کر ان پر نظر پڑتے ہی وہ تڑپ کر ان کی سمت آیا۔

"ابا جی! میری بات سنیں۔ ایسا کچھ نہیں۔" وہ جو کہنا چاہتا تھا، اس کے منہ میں ہی رہ گیا۔

چچا دونوں ہاتھوں سے اس پر پل پڑے تھے۔

"بدبخت، بدذات۔ تو پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مر گیا۔ اس عمر میں میرے منہ پر کالک پوت دی۔ تیری جگہ اللہ ایک بیٹی دیتا تو وہ میری عزت کا خیال تو رکھتی۔ تیری طرح ہر چوراہے پر یوں میری پگڑی تو نہ اچھالتی۔ تو مرا کیوں نہیں آذر۔" چلاتے چلاتے ان کا گلا رندھ گیا۔ وہ پورے وجود سے کانپ رہے تھے۔

"آپ لوگوں کا زور مجھ پر ہی چل رہا ہے۔ اسے بھی تو بلائیں۔ اس سے بھی تو پوچھیں۔" وہ اپنا پھٹا ہوا گریبان چچا سے چھڑاتے ہوئے چلا کر پیچھے ہٹا۔ "اس نے بلایا تھا مجھے یہاں۔ میں خود سے نہیں آیا۔"

اس کی یہ دھاڑ رمیز تک بھی گئی تھی۔

"اس نیچ انسان کی اتنی ہمت، میری بہن پر الزام لگا رہا ہے۔" وہ تو یہ سن کر پاگل ہی ہو گیا، کف اڑاتے وہ اندر آنے کی کوشش کرنے لگا۔ جہاں جواد چچا اسے روکنے کو اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہوئے۔

وہیں یہ بات سن کر آپے سے باہر ہوتے ہوئے ابراہیم نے آذر کے گریبان پر ہاتھ ڈالا تھا۔

"بس آذر بس۔ اب ایک لفظ بھی اور نہیں۔ اب تو نے اپنی ناپاک زبان سے اس کا نام بھی لیا تو رمیز سے پہلے میں تیرا قصہ تمام کر دوں گا۔"

آذر اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ ششدر سا ابراہیم کی آنکھوں میں ٹھہری آگ دیکھتے ہوئے اسے ایک دم ہی احساس ہوا تھا کہ وہ یہ بازی بھی طرح ہار گیا ہے وہ بھی نیلم جیسی لڑکی سے۔ جس سے وہ مر کر بھی یہ امید نہیں کر سکتا تھا۔ جب ہی تو اپنی برتری کے زعم میں خود ہی اس چوہے دان میں پھنسنے چلا آیا۔ جس سے نکلنے کے لیے اب وہ لاکھ مرتا، کوئی اس کا یقین کرنے والا نہیں تھا۔ وہ کوئی زمانے کا ولی تو تھا نہیں، اس کا پچھلا ریکارڈ تو وہ بخوبی جانتے تھے، ایسے میں وہ اس کا یقین کرتے بھی تو کیونکر۔ رمیز اس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا اور ابا جی، ابراہیم اور تایا جی کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت و حقارت دیکھ کر اسے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ نیلم کا وار کتنا کاری رہا تھا۔

"اسے لے جائیں یہاں سے۔ میں رمیز کو اور نہیں روک سکتا، اس سے پہلے کہ معاملہ ہاتھ سے نکلے۔ اسے لے جائیں۔"

"یہ ہماری عزت سے کھیل کے اتنی آسانی سے یہاں سے نہیں جا سکتا۔ یا تو اسے میرے حوالے کریں یا پولیس کے۔" رمیز کہاں خاموش بیٹھنے والا تھا۔

"پولیس۔" ابا جی اور چچا نے پریشان نظروں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ ابراہیم الگ بے چین ہوا تھا۔

بات پولیس تک جاتی تو نیلم کا نام بھی اچھلے بغیر نہ رہتا، اس بات کا احساس جواد چچا کو بھی تھا جب ہی اتنی دیر سے صبر کا دامن تھامے رمیز کی یہ بات سنتے ہی وہ بالآخر پھٹ پڑے۔

"تو پاگل تو نہیں ہو گیا۔ تو نے پولیس کا نام بھی کیسے لیا۔ تو اب ہماری عزت تھانے کچہری میں اچھالنا چاہتا ہے؟"

"لیکن ابا جی۔"

"چپ کر جا۔ ہٹ جا میری نظروں کے سامنے سے۔ ابھی میں زندہ ہوں یہ معاملہ سنبھالنے کے لیے۔"

ادھر ان کی یہ بحث چل رہی تھی اور ادھر آذر کا دماغ سنسنا رہا تھا۔ اس کے کان سن بھی نہیں رہے تھے کہ وہ اس کی قسمت کا کیا فیصلہ کرنے جا رہے ہیں۔ اس کے ذہن کے پردے پر تو بس ایک ہی منظر لہرا رہا تھا، اس وقت، اس لمحے کا جب اس نے یہاں قدم رکھا۔

وہ صحن میں ہی کھڑی تھی اسی وقت، جیسے اس کا انتظار کر رہی تھی، اسے دیکھ کر ٹھٹکی۔ پھر اس کی نظریں اس کے خالی ہاتھوں کی طرف گئیں۔ یقیناً اپنی اس اوڑھنی کی تلاش میں جس کے بل پر وہ اسے اتنے دنوں سے بلیک میل کر رہا تھا۔

اتنی دیر میں وہ بھی بڑے بڑے قدم اٹھاتا بس اس کے قریب پہنچ ہی گیا تھا کہ پھر اچانک۔ نجانے کیا ہوا۔ وہ چلانے لگی، چیخنے لگی وحشیانہ انداز میں دیوانہ وار اپنے بھائی اور باپ کو پکارتے ہوئے۔

آذر بوکھلا گیا، اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ رمیز یا جواد چچا میں سے کوئی گھر پر موجود ہو سکتا ہے۔ [illegible] تھے۔

اس کی چیخوں پر پہلے رمیز اپنے کمرے سے دوڑتا ہوا نکلا تھا اور پھر چچا جی۔

اس کے بعد سب کچھ اس کی یادداشت کے لیے کسی ڈراؤنے خواب کی طرح دھندلا تھا۔

"ہوش کے ناخن لے رمیز پتر۔ یہ معاملہ تھانوں میں سلجھانے والا نہیں ہے۔" تایا جی کی آواز اسے بہت دور سے آتی سنائی دی۔ "یہ صرف تیری عزت کا نہیں ہماری بھی عزت کا سوال ہے۔ نیلم توں ہے ہماری۔ یہ بات باہر نکلی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ابراہیم کا دماغ بگولوں کی زد میں تھا، اس کا دل اس سب سے کہیں بھاگ جانے کا چاہ رہا تھا۔

"سن جواد۔" انہوں نے چچا جواد کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "تو یار ہے میرا۔ سوچ بھی نہ کہ میں کبھی تیری عزت پر کوئی آنچ آنے دوں گا۔ نیلم کو ماں لگا ہے تجھ سے اب وہ تجھ سے زیادہ میری ذمہ داری ہے۔ کل کی کرانی رخصتی ہم آج کرا لیں گے بس اس معاملے کو یہیں دفن کر دے۔" ان کے گمبھیر لہجے میں عجیب سی منت تھی۔

رخصتی والی بات سے ابراہیم کی بے چینی سوا نیزے پر پہنچی تھی۔ ایک گہری سانس بھرتے وہ اضطراری انداز میں اس مستطیل نما کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"کمال کرتے ہیں آپ چچا جی۔" رمیز طنزیہ لہجے میں بول اٹھا۔ "یہ ایسے ہی نکل جائے گا بنا سزا کے، اسی گھر میں رہے گا جس میں میری بہن رخصت ہو کر جائے گی؟"

"یہ اس گھر میں رہے گا نہ اس گاؤں میں۔" کافی دیر سے خاموش کھڑے چھوٹے بھائی کے منہ سے یہ بات سن کر وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔ بلکہ ایک وہی کیا کمرے میں موجود سب نفوس [illegible]

"رمیز ٹھیک کہتا ہے، اسے اس کے کرتوتوں کی وقت پر سزا ملی ہوتی تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ میرا صبر ختم ہو گیا ہے پا جی۔ میں اسے [illegible] اپنی نظروں کے سامنے برداشت نہیں کر سکتا۔" [illegible] لگی۔ "چاہے آپ لوگ اسے جیل بھیجو یا کالا پانی۔ میرا اس سے ہر تعلق، ہر واسطہ ختم۔ میں آج آپ سب کے سامنے اسے اپنی زندگی، اپنے گھر سے بے دخل کرتا ہوں۔"

سب کو سانپ سونگھ گیا تھا، اب زندگی سے بے دخل کرنے کا مطلب تو چچا جی ہی جانتے تھے مگر گھر سے بے دخل کرنے کا مطلب تو سب کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

"ابا جی۔ ایسا مت کریں۔ ابا جی معاف کر دیں۔ میرا یقین نہیں کرنا تو نہ کریں مگر میرے ساتھ ایسا مت کریں۔" زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا کہ وہ بغیر اکڑے روتے چلاتے ہوئے معافی مانگنے

digestlibrary.com

لگا تھا۔

"نہ میں تیرا باپ ہوں، نہ تو میرا بیٹا۔ ایسی اولاد سے تو میں بے اولاد اچھا تھا۔" زخمی لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے اس سے منہ پھیرا تھا۔

"اسے یہاں سے لے جائیں۔ یہ تماشا اپنے گھر جا کر کریں۔" رمیز کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔

پھر ابراہیم نے بھی وہاں سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی۔

☆☆☆

وہ سجی سجائی اس کے سامنے بیٹھی تھی، اس کے گھر اس کے کمرے میں آ گئی تھی اپنے تمام تر حقوق سمیت۔ جو کچھ دیر پہلے ہی وہ ایک کاغذ پر دستخط کر کے اسے دان کر چکا تھا۔ مگر خود کسی جذباتی ہلچل کے بغیر سیج سے قدرے فاصلے پر کھڑا اس کے سمٹے سمٹائے وجود کو دیکھ رہا تھا۔

وہ کوئی احساسات سے عاری گڑیا نہیں تھی، اس نے بھی محسوس کر لیا تھا اس کا گریز۔ بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے اس نے بالآخر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

اس کی گہری آنکھوں کا استغراق اس کا چہرہ دیکھتے ہی بے اختیاری محویت میں بدلا مگر صرف لمحے بھر کے لیے۔ اگلے ہی پل وہ بیڈ کے قریب آیا تھا، پھولوں کی لڑیاں ہٹاتے ہوئے اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھا۔

اس نے بڑھتی دھڑکن پر قابو پاتے ہوئے پھر سے سر جھکایا۔

"تمہیں یاد ہوگا کچھ وقت پہلے۔ نے مجھ سے کہا تھا کہ اس شادی کے ہونے سے پہلے تم مجھے سچائی بتانا چاہتی ہو۔ چاہے اس سے یہ شادی ہی کیوں نہ رک جائے۔" اس کی سمت دیکھتے ہوئے اس نے دھیمے معتدل لہجے میں بات شروع کی۔

نیلم نے بنا کچھ کہے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تو اس بار تمہیں یہ ضروری نہیں لگا؟" اس کے لہجے میں چبھن اتری۔

"لگا تھا۔" سینے میں جکڑی سانس کے باعث نیلم کی آواز بہت ہلکی تھی۔

ابراہیم نے ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ "تو تم جانتی ہو۔ میں کس کی بات کر رہا ہوں؟"

اس نے پھر سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"تو بتایا کیوں نہیں؟"

نیلم کو واضح طور پر اس کی آنکھوں میں ناراضی کی لہریں اٹھتی محسوس ہوئیں۔

"ایک تو میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں رہا تھا۔ بھائی نے میرا موبائل لے لیا تھا۔ اور دوسرا مجھے خدشہ بھی نہیں رہا تھا کہ آپ یہ شادی روک دیں گے۔" وہ اضطرابی کیفیت میں اپنے مہندی سے سجے ہاتھوں کو سہلا رہی تھی۔

"کیوں نہیں؟" ابراہیم کا سوال بے ساختہ تھا۔

"جب اتنی بڑی بات جاننے کے بعد بھی آپ اس شادی سے پیچھے نہیں ہٹے تو اب کیسے ہٹتے۔" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں تعجب لیے اسے دیکھا۔

"تم مجھے اعتماد میں لے سکتی تھیں۔"

"آپ منع کر دیتے اور میں تنگ آ چکی تھی۔" اس کی آواز کانپنے لگی۔ "اس رات جب اس نے پھر دھمکیاں دیں طرح طرح کی تو بس۔ مجھے ذرا افسوس نہ ہوتا اگر بھائی اسے مار بھی دیتے۔ مگر میں اس کی وجہ سے بھائی کی زندگی برباد نہیں کر سکتی تھی اسی لیے میں نے اس دن ابا کو بھی گھر سے نکلنے نہیں دیا۔ اس دن اگر میں وہ قدم نہ اٹھاتی تو آج بھی وہ اس گھر میں موجود ہوتا، اس شادی میں موجود ہوتا۔"

"وہ موجود نہ ہوتا نیلم۔ تمہیں کیا میں اتنا بے غیرت لگتا ہوں؟"

ابراہیم نے اس کی بات کاٹی تھی تیز اور دہکتے لہجے میں۔

"تم نے کہا تمہیں مجھ پہ یقین ہے مگر تم نے کبھی مجھ پر یقین کیا ہی نہیں۔ ورنہ میرے یہ کہنے کے بعد کہ اس سے مجھے نمٹنے دو، تم یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں نہ لیتیں۔ اس دن کچھ بھی ہو سکتا تھا نیلم۔ کچھ بھی۔ اگر میں نے پہلی بار سچائی جاننے کے بعد شادی سے انکار

نہیں کیا تھا تو اس ہنگامے کے بعد ضرور کر دیتا اگر ابا جی بیچ میں نہ آتے۔"

اس کے تیز، شرربار لہجے پر روتی ہوئی نیلم نے اس آخری جملے پر تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں اتنی بہادری دکھانے کی ضرورت نہیں تھی نیلم۔ تم نے اپنے بھائی، باپ سمیت ہماری عزت کو بھی خطرے میں ڈالا۔" اپنی جلتی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑے وہ کہہ رہا تھا۔

وہ نظر چرا کر گھٹنوں پر سر رکھ کر سسکنے لگی۔

"معاف کر دیں۔"

"میں یہ معاملہ شادی تک کھینچتا ہی نہیں۔ میں اس کا خود بندوبست کرتا، خود اسے اپنی زندگی سے نکالتا۔ مگر تم نے مجھے یہ موقع دیا ہی نہیں۔" اس کے لہجے کا غصہ تاسف میں ڈھلا۔

"تو آپ اپنے ابا جی کو بھی ساری بات بتا کر اس شادی سے انکار کر دیتے۔" وہ سر اٹھائے بغیر گلوگیر لہجے میں بولی۔

"تب تمہارے بھائی اور باپ کی کیا حالت ہوتی؟" ابراہیم کی اس بات نے صحیح معنوں میں اس کے زخموں پر نمک چھڑکا تھا۔

"میں بہت بری ہوں۔" اس کی آواز سرگوشی نما تھی۔

"جیسی بھی ہو۔ اب مجھے تمہارے نام سے منسوب رہنا ہے اور تمہیں میرے نام سے۔ زندگی بھر کے لیے۔"

ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا، یہ اطلاع نہیں تھی۔ ایک عجیب طرح کی مایوسی اور بے زاری کا اظہار تھا۔

نیلم ساکت بیٹھی تھی، پہلے سے ان حالات کا اندازہ ہوتے ہوئے بھی اب ابراہیم کی اس سرد مہری سے ایک عجیب سا درد تھا جس نے دل سے نکل کر جسم و جاں کا احاطہ کر لیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کچھ غلطیوں کی قیمت ساری زندگی چکانی پڑتی ہے۔ آذر کو اپنی زندگی میں رسائی دینا بھی ایک ایسی ہی غلطی تھی۔

"کپڑے بدل کر آرام کر لو۔"

سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے ابراہیم نے پھر سے اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ حائل کر دیا تھا۔

وہ نہیں بھول سکتا تھا۔ اتنی جلدی تو بالکل بھی نہیں۔ اس دن اس نے آذر کی زبان بند تو کر دی تھی مگر اندر کہیں وہ جان گیا تھا کہ وہ کم از کم اس معاملے میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ اور پھر اس دن سے لے کر شادی کے دن تک اس کے دل و دماغ میں جنگ چھڑی رہی۔ مگر رمیز سے دوستی اور جواد چچا کا لحاظ آڑے آ جاتا۔

اور یہ حقیقت تھی کہ آذر واقعی ان کی زندگیوں سے دور جا چکا تھا، وہ اس شادی میں موجود نہیں تھا، اس دن چچا نے جو بات کی تھی وہ صرف کوئی ہوائی بات نہیں تھی، نہ ہی آذر کو اس صورت حال سے بحفاظت نکالنے کی کوئی تدبیر۔ وہ اپنی بات کے پکے نکلے۔ انہوں نے واقعی اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ اگرچہ ابراہیم کا ذاتی خیال یہی تھا کہ یہ وقتی صورتحال ہے۔ آذر ان کا خون تھا، ان کی اکلوتی اولاد۔ وہ اس سے ہمیشہ کے لیے کنارا کرنے کی ہمت شاید ہی کر پاتے۔

اور وہ کر لیتے تب بھی اب ابا جی نے بھی حویلی کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا عندیہ دے دیا تھا۔

مگر اب یہ معاملہ صرف اس کے اور نیلم کے درمیان تھا، اور اسے سلجھانے کے لیے، سب بھولنے کے لیے، ایک نئی شروعات کرنے کے لیے ابھی اسے ایک عمر درکار تھی نیلم جس طرح اس کے دل سے اتری تھی وہ مقام اسے نہیں دے سکتا تھا۔

اور یہ بات نیلم بخوبی سمجھ گئی تھی۔ اس وقت جھکے سر کے ساتھ اسے خود سے دور جاتا محسوس کرتے ہوئے اس نے رب سے دعا مانگی تھی کہ وہ اس کی نادانیوں کو معاف کر دے۔ اللہ نے اس کا پردہ رکھ کر اسے وہ انسان عطا کیا جو بہترین تھا لیکن اپنی جذباتیت اور بے وقوفی میں اس نے خود اپنا مقام کھو دیا تھا۔ اس نے عزم باندھا تھا۔

☆☆

digest library.com